

صاحب اس نتیجہ کے اخذ کرنے میں نلبیس و تدلیس سے تو کام نہیں لے رہے؟
 طاہر الہکی کا تعلق جس طبقہ سے ہے، نلبیس و تدلیس اس طبقہ کا
 شعار ہے اور سنا گیا ہے کہ طاہر الہکی کے نام میں بھی نلبیس ہے۔ اس کے والد
 میانجی عبدالرحیم مرحوم ”مکی مسجد کراچی“ میں کتب کے بچوں کو پڑھاتے تھے، وہیں
 ان کی رہائش گاہ تھی اسی دوران یہ صاحب پیدا ہوئے اور مکی مسجد کی طرف نسبت
 سے علامہ طاہر الہکی بن گئے، سننے والے سمجھتے ہوں گے کہ حضرت مکہ سے تشریف
 لائے ہیں۔

۲۔ مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہ العالی کے حوالے سے اس نے قطعاً غلط اور
 گمراہ کن نتیجہ اخذ کیا ہے۔ جیسا کہ مولانا مدظلہ العالی کے خط سے ظاہر ہے، اول تو
 مقبلی زیدی اور پھر غیر مقلد تھا، پھر اس کا حوالہ خواب کا ہے، اور سب جانتے ہیں کہ
 خواب دینی مسائل میں حجت نہیں۔ پھر مولانا نے یہ حوالہ یہ ظاہر کرنے کے لئے نقل
 کیا ہے کہ رواۃ بخاری کے بارے میں بعض لوگوں کی یہ رائے ہے۔ مولانا عبدالرشید
 نعمانی مدظلہ العالی ایک دینی مدرسہ کے شیخ الحدیث ہیں۔ اگر ان کی وہ رائے ہوتی جو
 آپ نے طاہر الہکی کی نلبیسانہ عبارت سے سمجھی ہے تو وہ آپ کی تحریک ”عدم
 اعتقاد“ کے علم بردار ہوتے، نہ کہ صحیح بخاری پڑھانے والے شیخ الحدیث۔

۳۔ طاہر الہکی نے امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیرؒ کو بلاوجہ گھسیٹا ہے۔
 حضرتؒ نے بیس برس سے زیادہ صحیح بخاری کا درس دیا، اور تدلیس بخاری شروع
 کرنے سے پہلے ۳۳ مرتبہ صحیح بخاری شریف کا بغور و تدبیر مطالعہ فرمایا اور اس کی تمام
 شروح کا بغور و تدبیر مطالعہ فرمایا، صحیح بخاری کی دو بڑی شرحیں فتح الباری اور عمدۃ
 القاری تو حضرت کو ایسے حفظ تھیں جیسے گویا سامنے کھلی رکھی ہوں۔ (مقدمہ فیض

حضرت شاہ صاحبؒ نہ صرف یہ کہ صحیح بخاری کو ”اصح الکتاب بعد کتاب اللہ“ سمجھتے ہیں بلکہ صحیحین کی احادیث کی قطعیت کے قائل ہیں۔ چنانچہ فیض الباری میں فرماتے ہیں :

”صحیح کی احادیث قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ قطعیت کا فائدہ نہیں دیتیں لیکن حافظ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں۔ شمس الائمہ سرخسی حنفیہ میں سے، حنابلہ میں سے حافظ ابن تیمیہؒ اور شیخ ابن صلاحؒ بھی اسی طرف مائل ہیں۔ ان حضرات کی تعداد اگرچہ کم ہے مگر ان کی رائے ہی صحیح رائے ہے۔ شاعر کا یہ قول ضرب المثل ہے :

”میری بیوی مجھے عار دلاتی ہے ہماری تعداد کم ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ کریم لوگ کم ہی ہوا کرتے ہیں۔“

(فیض الباری ص ۴۵)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجة اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں :

”محدثین کا اتفاق ہے کہ صحیحین میں جتنی حدیثیں متصل مرفوع ہیں، صحیح ہیں اور یہ دونوں اپنے معتقین تک متواتر ہیں اور جو شخص ان دونوں کی توہین کرتا ہے وہ مبتدع ہے اور مسلمانوں کے راستہ سے منحرف ہے۔“

۴ : — کسی حدیث کا صحیح ہونا اور چیز ہے اور اس کا واجب العمل ہونا

دوسری چیز ہے اس لئے کسی حدیث کے صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واجب العمل بھی ہو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ منسوخ ہو، یا مقید ہو، یا ماول ہو۔ اس کے لئے ایک عامی کا علم کافی نہیں، بلکہ اس کے لئے ہم آئمہ اجتہاد رحمہم اللہ کی اتباع کے محتاج ہیں۔ قرآن کریم کا قطعی ہونا تو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے، لیکن قرآن کریم کی بعض آیات بھی منسوخ و ماول یا مقید با شرائط ہیں، صرف انہی اجمالی اشارات پر اکتفا کرتا ہوں، تفصیل و تشریح کی گنجائش نہیں۔ واللہ اعلم۔

حقیانی صاحب کی حج تجاویز

سوال : ----- تاریخ ۱۲ جون ۱۹۳۷ء کالم نویس جناب ارشد احمد حقیانی صاحب نے حالیہ نگران حکومت کے زیر انتظام حج بیت اللہ سے واپسی پر ”حج کے انتظامات“ بعض توجہ طلب پہلوؤں کے عنوان سے جن خیالات کا اظہار اخبار جنگ کراچی میں کیا ہے اس کو پڑھ کر سخت تکلیف ہوئی اور طرح طرح کے خیالات کے اظہار سے ایسا محسوس ہوا کہ وہ منیٰ کی ساری غلاطت کو اپنے ساتھ کراچی لے آئے ہیں، جس شہر میں ہر راستہ پر ہر زمانہ میں اور خصوصاً سخت گرمی کے زمانہ میں جو گٹر بہہ رہا ہے اور حتیٰ کہ ہمارے مکان کے دروازہ پر پڑوس کے گٹر کا سیاہ سیلاب سارے راستہ پر پھیلا ہوا ہے اس کی طرف کسی کی نظر نہیں جہاں مستقلاً لوگ رہائش پذیر ہیں اور سارے شہر میں گٹر کے ٹپاک پانی نے طہارت اور صفائی کو مستقل عذاب اور خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ اس کی اصلاح کے لئے زور قلم اور حکومت اور عمل کی توجہ مبذول نہ کرنا کرمفت کی مہملی کا حق اس ذہنیت سے ادا کر رہے ہیں جو پاکستان کی بدنامی کا باعث ہو رہا ہے۔

اس کے علاوہ فقہی مسائل میں بھی اپنی قابلیت کا جس طرح اظہار کیا ہے

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کی معلومات کی داد دینے والا سارے عالم اسلام میں کوئی نہیں۔

میں آپ جیسے مسلم بزرگ اور مفتی وقت سے اس سلسلہ میں رجوع کرنا ایک اسلامی فریضہ سمجھ کر یہ خط لکھ رہا ہوں کہ برائے کرم جناب ارشد احمد حقانی صاحب کے اظہار خیال کی روشنی میں جو انہوں نے ”طواف زیارت“ کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے۔ اس کی اسلامی اور فقہی حیثیت کیا ہے؟
جیسا کہ ارشد احمد حقانی نے اپنے کالم میں لکھا ہے کہ :

”بعض فقہاء کے نزدیک اس بات کی اجازت موجود ہے کہ ”طواف زیارت“ عرفات جانے سے پہلے بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ میرے بہت سے قارئین کے لئے یہ بات باعث حیرت ہوگی لیکن یہ اجازت موجود ہے۔ مگر اس کا علم بہت کم لوگوں کو ہے اور اس پر عمل بھی شکی کیا جاتا ہے۔ (کیا یہی صحیح ہے؟)

”اگر کمزور اور ضعیف حجاج اور خواتین کو اس کی اطلاع دی جائے اور انہیں طواف زیارت عرفات جانے سے پہلے ادا کرنے کی ترغیب دی جائے تو دو چار لاکھ حاجی تو ایسا کر سکتے ہیں۔ جس سے بعد از عرفات کے دنوں میں ریش کم کیا جاسکتا ہے۔“

”ویسے میں اس بات کا بھی حائی اور قائل ہوں کہ عرفات سے واپسی پر کئے جانے والے طواف زیارت کے وقت میں بھی توسیع کا جائزہ لیا جانا چاہئے اور جید علماء اس مسئلے پر غور کریں۔“

”حرم شریف کی غیر معمولی توسیع کے بلوجود ہمیں پچیس

لاکھ افراد کا تین روز میں طواف زیارت مکمل کرنا شدید اثر و حام
 پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جس سے ضعیف مردوں اور عورتوں
 کا تو کچا مضبوط اور جوان حاجیوں کا عمدہ بر آہوتا آسان نہیں۔
 طواف زیارت کو آسان کرنا وقت کی اہم ضرورت
 ہے۔"

اس کے بعد حقانی صاحب نے منیٰ اور عرفات کے سلسلہ میں عام حجاج کی
 سہولت کے حوالہ سے جس طرح جو کچھ لکھا ہے اس سے ہم جیسے مسلمان دیندار
 حاجیوں کو قطعی اتفاق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے علم و قلم مسلمان کو اس لئے عطا نہیں کیا کہ وہ اپنے کو ساری
 مخلوق سے بالاتر اور اپنی محدود عقل کو سب سے افضل و برتر سمجھے اور ان خیالات
 کا ہر موقع پر اظہار خیال کرے۔ سعودی حکومت تو ٹھنڈے پانی کا تھیلا مفت میں
 حجاج کرام کے لئے منیٰ اور عرفات میں مسلسل تقسیم کیا کرتی ہے اور روز بروز
 ہر طرح کی سہولت فراہم کر رہی ہے۔ اس کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

منیٰ میں میرا بھی قیام تھا۔ مگر میں نے وہ تعفن اور گندگی نہیں دیکھی جو
 حقانی صاحب کو نظر آئی اگر کسی کا قیام بد قسمتی سے کوڑا کرکٹ اور گٹر کے پاس ہو
 تو پھر بھی اس کا اظہار عوامی انداز سے ہونا چاہیے۔ یہ اخبار والوں کو بھی لازم ہے
 کہ ایسے جذباتی برانگیختگی کے مضامین کو اخبار میں جگہ نہ دیں جو اخبار کے
 رویہ کو متنازع بناوے اور نفرت و فساد کو جنم دے۔ بہر کیف اس مسئلہ پر علما اور
 حجاج کرام کو اپنے مسلمہ واضح خیالات کا اظہار کرنا لازم ہے۔

جواب : — جناب حقانی صاحب کا کالم میں نے آپ کا خط موصول ہونے
 کے بعد اخبار منگوا کر پڑھا، موصوف نے اپنے مضمون (۱۶ جون ۱۹۹۳ء) کی قسط میں

چند مسائل شرعیہ پر اظہار خیال فرماتے ہوئے ان میں اجتہاد کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے :

پہلا مسئلہ

جناب حقانی صاحب رقمطراز ہیں :

”سعودی وزارت اطلاعات کے حکام نے عظمندی کی ہمیں مزدلفہ سے رات کے گیارہ بجے ہی بسوں پر سوار کرا دیا اور سیدھے جمرۃ العقبیٰ پر لے گئے، اس وقت وہاں کوئی ہجوم نہیں تھا اور ہم سب نے سات سات کنکریاں مار لیں۔“

موصوف کی اس تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ رات ڈھلنے سے پہلے ہی گیارہ بجے مزدلفہ سے چل کھڑے ہوئے اور آدھی رات سے پہلے پہلے وہ جمرۃ العقبیٰ کی ری سے بھی فارغ ہو چکے تھے۔ اگر میں نے ان کی اس عبارت کا مفہوم صحیح سمجھا ہے تو سعودی حکام کی عظمندی نے ان سے مناسک حج کی ادائیگی میں دو سنگین غلطیاں کرا دیں۔ ایک یہ کہ مزدلفہ پر وقوف کرنا حج کے واجبت میں سے ہے۔ اس کے فوت ہو جانے پر دم لازم آتا ہے اور اسے قصداً چھوڑ دینا حرام ہے۔

وقوف مزدلفہ کا وقت حنفیہ کے نزدیک یوم النحر (ذوالحجہ کی دسویں تاریخ) کی صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک نصف شب کے بعد ہے، البتہ مالکیہ کے نزدیک رات کے کسی حصہ پر وہاں ٹھہرنا واجب ہے۔ چونکہ حقانی صاحب اور ان کے رفقاء رات کے گیارہ بجے ہی مزدلفہ سے چل پڑے، اس

لئے حنفیہ شافعیہ اور حنابلہ کے قول کے مطابق ان کا وقف مزدلفہ فوت ہو گیا جس کی وجہ سے ان پر دم بھی واجب ہوا اور گناہ بھی لازم آیا۔

دوسری غلطی یہ کہ یوم النحر کو جمرۃ العقبیٰ کی رمی کا وقت شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک آدمی رات کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک صبح صادق کے بعد سے۔ اب اگر حنفی صاحب صبح صادق سے پہلے جمرۃ العقبیٰ کی رمی سے فارغ ہو چکے تھے تب تو حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک ترک واجب کی وجہ سے ان پر دم لازم آیا اور اگر نصف شب سے پہلے ہی رمی کر لی تھی تو تمام ائمہ کے نزدیک ان پر دم لازم ہوا۔

دوسرا مسئلہ

حنفی صاحب سفارش کرتے ہیں کہ :

”اس ضمن میں کمزور حجاج بالخصوص خواتین کی حوصلہ

افزائی کی جانی چاہیے کہ وہ اپنا وکیل مقرر کر کے رمی جمرات کا فرض ادا کریں۔“

اس ضمن میں یہ وضاحت کافی ہے کہ شریعت نے رمی جمرات کا وقت بہت وسیع رکھا ہے، مثلاً پہلے دن یوم النحر کو صرف جمرۃ العقبیٰ کی رمی کرنی ہے، مگر اس کا وقت پورے آٹھ پہر (چوبیس گھنٹے) تک پھیلا ہوا ہے، کیونکہ یہ وقت یوم النحر کی صبح صادق سے شروع ہو کر گیارہویں تاریخ کی صبح صادق تک ہے اور رات کے وقت خصوصاً بارہ بجے کے بعد جمرات پر کوئی ہجوم نہیں ہوتا۔ اس لئے کمزور مرد اور خواتین رات کو اطمینان سے رمی کر سکتے ہیں اور رمی جمرات کے لئے کسی کو وکیل بنانا صرف اس صورت میں صحیح ہے کہ کوئی دن میں

یارات میں خود چل کر جرات تک پہنچنے اور رمی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس لئے حقانی صاحب کی یہ سفارش کہ معذور اور غیر معذور مرد اور خواتین کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے کہ بغیر عذر شرعی کے وہ کسی کو اپنا وکیل مقرر کر دیں، قطعاً لائق التفات نہیں۔

حقانی صاحب کا اپنے اجتہاد پر عمل

حقانی صاحب خود معذور نہیں تھے لیکن انہوں نے پہلے دن کی رمی تو وقت سے پہلے کر لی اور باقی دنوں کی رمی کے بارے میں وہ لکھتے ہیں :

”بقیہ دو دنوں کے لئے میں نے تو اپنے نوجوان ساتھیوں کو وکیل مقرر کیا اور انہی کے ذریعہ اپنے حصہ کے پتھر مروائے۔“

حالانکہ منی کے دنوں میں حاجی کو رمی جرات کے سوا کوئی کام نہیں ہوتا۔

اب اس کو تساہل پسندی کے سوا کیا کہا جائے کہ بغیر کسی عذر شرعی کے موصوف نے رمی کے لئے نوجوان ساتھیوں کو وکیل مقرر کر دیا اور انہی کے ذریعہ رمی کر والی۔ ظاہر ہے کہ شرعاً ان کا وکیل مقرر کرنا درست نہ تھا اور وہ ترک واجب کے مرتکب ہوئے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہیں اس ترک واجب پر افسوس بھی نہیں بلکہ وہ اس ضمن میں فقہائے امت کی اصلاح کے درپے ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :

”فقہانے رمی جرات کے حوالے سے بعض ایسے احکام

اور شرائط مقرر کر رکھی ہیں غالباً جن میں قدرے اجتہاد کی گنجائش ہے۔“

حضرات فقہائے امت نے رمی جرات کے بارے میں جو احکام و شرائط مقرر کی ہیں وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے مستنبط ہیں، تمام فقہائے امت کے اجماعی فیصلوں کو نظر انداز کر کے نئی راہ اختیار کرنے کا نام ”اجتہاد“ نہیں بلکہ خواہش نفس کی پیروی ہے۔

تیسرا مسئلہ

تیسرا مسئلہ جس میں موصوف نے ”اجتہاد“ کی ضرورت پر زور دیا ہے وہ ہے وقوف عرفات سے پہلے طواف زیارت سے فارغ ہو جانا۔ موصوف لکھتے ہیں کہ :

”بعض فقہاء کے نزدیک اس بات کی اجازت موجود ہے کہ طواف زیارت، عرفات جانے سے پہلے بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ میرے بہت سے قارئین کے لیے یہ بات باعث حیرت ہوگی لیکن یہ اجازت موجود ہے، مگر اس کا علم بہت کم لوگوں کو ہے اور اس پر عمل بھی شاذ ہی کیا جاتا ہے۔ اگر کمزور اور ضعیف حجاج اور خواتین کو اس کی اطلاع دی جائے اور انہیں طواف زیارت، عرفات جانے سے پہلے ادا کرنے کی ترغیب دی جائے تو دو چار لاکھ حاجی تو ایسا کر سکتے ہیں۔ جس سے بعد از عرفات کے دنوں میں رش کم کیا جاسکتا ہے۔“

جناب حقانی صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک وقوف عرفات سے پہلے طواف زیارت کرنے کی اجازت موجود ہے۔ یہ اس ناکارہ کے لئے بالکل جدید انکشاف ہے۔ قریباً نصف صدی تک فقہی کتابوں کی ورق گردانی کرتے ہوئے بال سفید ہو گئے لیکن افسوس ہے کہ مجھے ایسے کسی فقیہ کا سراغ نہیں مل سکا جو وقوف عرفات سے پہلے طواف زیارت سے فارغ ہو جانے کا فتویٰ دیتا ہو۔ اگر موصوف ان ”بعض فقہاء“ کا نام نشان بتادیں تو اہل علم ان کے ممنون ہوں گے اور اس پر غور کر سکیں گے کہ ان ”بعض فقہاء“ کے فتویٰ کی قدر و قیمت کیا ہے۔

جہاں تک اس ناکارہ کے ناقص مطالعہ کا تعلق ہے مذاہب اربعہ اس پر متفق ہیں کہ وقوف عرفات سے قبل طواف زیارت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک طواف زیارت کا وقت یوم النحر کی صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک یوم النحر کی نصف شب کے بعد سے اس کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ گویا یوم النحر کی نصف شب سے پہلے طواف زیارت کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے اور جس مسئلہ میں مذاہب اربعہ متفق ہوں ان کے خلاف فتویٰ دینا ”اجتہاد“ نہیں بلکہ الحاد ہے۔

القرآن ریسرچ سینٹر تنظیم کا شرعی حکم

س..... مولانا صاحب! آج کل ایک نیا فتنہ قرآن ریسرچ سینٹر کے نام سے بہت زوروں پر ہے، اس کا بانی محمد شیخ انگلش میں میان کرتا ہے، اور ضروریات دین کا انکار کرتا ہے۔ ہم اس انتظار میں تھے کہ ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“

میں آپ کی کوئی مفصل تحریر شائع ہوگی مگر آپ کے مسائل میں ایک خاتون کے سوال نامہ کے جواب میں آپ کا مختصر سا جواب پڑھا، اگرچہ وہ تحریر کسی حد تک شافی تھی مگر اس سلسلہ کی تفصیلی تحریر کی اب بھی ضرورت ہے۔ اگر آپ نے ایسی کوئی تحریر لکھی ہو یا کہیں شائع ہوئی ہو تو اس کی نشاندہی فرمادیں یا پھر ازراہ کرم امت مسلمہ کی اس سلسلہ میں راہ نمائی فرمادیں۔

نج:..... آپ کی بات درست ہے، ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ میں میرا نہایت مختصر سا جواب شائع ہوا تھا، اور احباب کا اصرار تھا کہ اس سلسلہ میں کوئی مفصل تحریر آنی چاہئے، چنانچہ میری ایک مفصل تحریر ماہنامہ بینات کراچی کے ”بصائر و عبر“ میں شائع ہوئی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے افادہ عام کیلئے قارئین ----- کی خدمت میں پیش کر دیا جائے، جو حسب ذیل ہے :

”مسلمانان ہندوستان کی دلی خواہش اور چاہت تھی کہ ایک ایسی آزاد ریاست اور ملک میسر آجائے جہاں مسلمان آزادی سے قرآن و سنت کا آئین نافذ کر سکیں اور انہیں دین اور دینی شعائر کے سلسلہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، چونکہ مسلمانوں کا جذبہ نیک تھا، اس لیے اس میں جوان بوڑھے، عوام و خواص اور عالم و جاہل سب برابر کے متحرک و فعال تھے۔ بلا آخر لاکھوں جانوں اور عزتوں کی قربانی کے بعد ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ایک مسلم ریاست کی حیثیت سے پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ قیام پاکستان کا مقصد اسلامی نظام حکومت یعنی حکومت الہیہ کا قیام باور کرایا گیا تھا۔ جس کا عنوان تھا ”پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ!“ اور یہ ایسا نعرہ تھا جس کے زیر اثر تمام مسلمان مر مٹنے کے لیے تیار تھے، حتیٰ کہ وہ

مسلمان جن کے علاقے تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کی حدود میں آتے تھے وہ بھی اس کے قیام میں پیش پیش تھے، لیکن: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، کے مصداق، آج نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود بھی پاکستانی مسلمانوں کو اسلامی نظام حکومت نصیب نہیں ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

الٹا پاکستان روز بروز مسائلستان بنتا چلا گیا، اس میں مذہبی، سیاسی، روحانی غرض ہر طرح کے فتنے پیدا ہوتے چلے گئے، ایک طرف اگر انگلینڈ میں مرتد رشدی کا فتنہ رونما ہوا، تو دوسری طرف پاکستان میں یوسف کذاب نام کا ایک بد باطن دعویٰ نبوت لے کر میدان میں آگیا۔ اسی طرح بلوچستان میں ایک ذکری مذہب ایجاد ہوا جس نے وہاں کعبہ اور حج جاری کیا۔ یہاں رافضیت اور خارجیت نے بھی پر پرزے نکالے، یہاں شرک و بدعات والے بھی ہیں اور طبلہ سارنگی والے بھی۔ اس ملک میں ایک گوہر شاہی نام کا ملعون بھی ہے جن کے مریدوں کو چاند میں اس کی تصویر نظر آتی ہے۔ اور خود اس کو اپنے پیشاب میں اپنے مصلح کی شبیہ دکھائی دیتی ہے۔ اس میں ایک بد نخت عاصمہ جمانگیر بھی ہے جو تحفظ حقوق انسانیت کی آڑ میں کتنی لڑکیوں کی چادر عفت کو تار تار کر چکی ہے۔

اسی طرح اس ملک میں ”جماعت المسلمین“ نامی ایک جماعت بھی ہے جو پوری امت کی تجہیل و تحمیق کرتی ہے۔ یہاں ڈاکٹر مسعود کی اولاد بھی ہے جو اپنے علاوہ کسی کو مسلمان ماننے کے لیے تیار نہیں، یہاں غلام احمد پرویز کی ذریت بھی ہے جو امت کو ذخیرہ احادیث سے بد ظن کر کے اپنے پیچھے لگانا چاہتی ہے، اور

ان سب سے آگے اور بہت آگے ایک نیا فتنہ اور نئی جماعت ہے جس کے تانے بانے اگرچہ غلام احمد پرویز سے ملتے ہیں مگر وہ کئی اعتبار سے غلام احمد پرویز کو پیچھے چھوڑ گئی ہے، غلام احمد پرویز نے امت کو احادیث سے برگشتہ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی، ہاں البتہ اس نے چند آیات قرآنی پر بھی اپنی تاویلات باطلہ کا تیشہ چلایا تھا، مگر اس نئی جماعت اور نئے فتنہ کے سربراہ محمد شیخ نامی شخص نے تقریباً پورے اسلامی عقائد کی عمارت کو منہدم کرنے کا تہیہ کر لیا ہے، چنانچہ وہ توراة، زبور، انجیل اور دوسرے صحف آسمانی کے وجود اور حضور ﷺ کی دوسرے انبیاء پر فضیلت و برتری اور انبیاء کرام کے مادی وجود کا منکر ہے، بلکہ وہ بھی اصل میں تو مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح مدعی نبوت ہے۔ مگر وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی ناکام حکمت عملی کو دہرانا نہیں چاہتا، کیونکہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح براہ راست نبوت اور عقیدہ اجراء وحی کا دعویٰ کر کے قرآن و سنت اور علماء امت کے شکنجہ میں نہیں آنا چاہتا، یہ تو وہ بھی جانتا ہے کہ وحی نبوت بند ہو چکی ہے، اور جو شخص آنحضرت ﷺ کے بعد اپنے لئے اجراء وحی کا دعویٰ کرے وہ دجال و کذاب اور واجب القتل ہے۔ اس لئے محمد شیخ نامی اس شخص نے اس کا عنوان بدل کر یہ کہا کہ: ”جو شخص جس وقت قرآن پڑھتا ہے اس پر اس وقت قرآن کا وہ حصہ نازل ہو رہا ہوتا ہے اور جہاں قرآن مجید میں ”قل“ کہا گیا ہے وہ اس انسان ہی کے لیے کہا جا رہا ہے، یوں وہ ہر شخص کو نزول وحی کا مصداق بنا کر اپنے لئے نزول وحی اور اجر نبوت کے معاملہ کو لوگوں کی نظروں میں ہلکا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

چنانچہ وہ اس کو یوں بھی تعبیر کرتا ہے کہ :

”انبیاء، اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور لوگوں کی اصلاح

کرتے ہیں اور میں بھی یہی کام انجام دے رہا ہوں۔“

نعوذ باللہ۔ منصب نبوت کو اس قدر خفیف اور ہلکا کر کے پیش کرنا اور یہ جرات کرنا کہ میں بھی وہی کام کر رہا ہوں جو (نعوذ باللہ) انبیاء کرام کیا کرتے ہیں۔ کیا یہ دعویٰ نبوت اور منصب نبوت پر فائز ہونے کی ناپاک کوشش نہیں؟

لوگوں کی نفسیات بھی عجیب ہے، اگر وہ ماننے پر آمیں تو ایک ایسا شخص جو کسی اعتبار سے قابل اعتماد نہیں، جس کی شکل و شبہت مسلمانوں جیسی نہیں، جس کا رہن سہن کسی طرح اسلاف سے میل نہیں کھاتا، ابلیس مغرب کی نقالی اس کا شعار ہے، اسوہ نبویؐ سے اسے ذرہ بھر مناسبت نہیں، اس کی چال ڈھال، رفتار و گفتار اور لباس و پوشاک سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ یہ شخص مسلمان بھی ہے کہ نہیں؟ پھر طرہ یہ کہ وہ نصوص صریحہ کا منکر ہے، اور تاویلات فاسدہ کے ذریعہ اسلام کو کفر، اور کفر کو اسلام باور کرانے میں مرزا غلام احمد قادیانی کے کان کاٹتا ہے، فلسفہ اجرائی نبوت کا نہ صرف وہ قائل ہے بلکہ اس کا داعی اور مناد ہے۔

وہ تمام آسمانی کتابوں کا یکسر منکر ہے، وہ انبیاء کے مادی وجود کا قائل نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی وجود کی بھول بھلیوں کے گورکھ دھندوں سے آپؐ کی نبوت و رسالت اور مادی وجود کا انکاری ہے، انبیاء بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجیح دیتا ہے۔

ذخیرہ احادیث کو من گھڑت کہانیاں کہہ کر ناقابل اعتماد گردانتا ہے، غرضیکہ عقائد اسلام کے ایک ایک جز کا انکار کر کے ایک نیادین و مذہب پیش

کرتا ہے،۔ اور لوگ ہیں کہ اس کی عقیدت و اطاعت کا دم بھرتے ہیں، اور اس کو اپنا پیشوا اور راہ نمائے ہیں۔

اس کے برعکس دوسری جانب اللہ کا قرآن ہے، نصوص صریحہ اور احادیث نبویؐ کا ذخیرہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور حضرات صحابہ کرامؓ کی سیرت و کردار کی شاہراہ ہے، اور اجماع امت ہے، جو پکار پکار کر انسانوں کی ہدایت و راہ نمائی کے خطوط متعین کرتے ہیں، مگر ان ازلی محرموں کے لئے یہ سب کچھ ناقابل اعتماد ہے۔

کس قدر لائق شرم ہے کہ یہ حرماں نصیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری کی بجائے اپنے گلے میں اس ملحد و بے دین کی غلامی کا پٹہ سجانے اور اس کی امت کملانے میں ”فخر“ محسوس کرتے ہیں۔ حیف ہے اس عقل و دانش اور دین و مذہب پر جس کی بنیاد الحاد و زندقہ پر ہو، جس میں قرآن و سنت کی بجائے ایک جاہل مطلق کے کفریہ نظریات و عقائد کو درجہ استناد حاصل ہو۔ سچ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں تو عقل و خرد چھین لیتے ہیں، جھوٹ سچ کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور ہدایت کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

گزشتہ ایک عرصہ سے اس قسم کی شکایات سننے میں آرہی تھیں کہ سیدھے سادھے مسلمان اس فتنے کا شکار ہو رہے ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں کچھ لکھنے کا خیال ہوا تو ایک صاحب راقم الحروف اور دارالعلوم کراچی کے فتاویٰ کی کاپی لائے اور فرمائش کی کہ اس فتنہ کے خلاف آواز اٹھائی جائے، اس لئے کہ حکومت اور انتظامیہ اس فتنہ کی روک تھام کے لئے نہایت بے حس اور غیر سنجیدہ ہے۔

جب کہ یہ فتنہ روز بروز بڑھ رہا ہے۔ کس قدر لائق افسوس ہے کہ اگر کوئی شخص بانی پاکستان یا موجودہ وزیراعظم کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو جائے تو حکومت کی پوری مشینری حرکت میں آجاتی ہے، لیکن یہاں قرآن و سنت، دین متین اور حضرات انبیاء اور ان کی نبوت کا انکار کیا جاتا ہے، ان کی شان میں نازیبا کلمات کہے جاتے ہیں، مگر حکومت ٹس سے مس نہیں ہوتی، اور انتظامیہ کے کان پر جوں تک نہیں ریگلتی۔

اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان ہردو تحریروں کو یکجا شائع کر دیا جائے، تاکہ مسلمانوں کا دین و ایمان محفوظ ہو جائے، اور لوگ اس فتنہ کی سنگینی سے واقف ہو کر اس سے بچ سکیں۔

راقم الحروف کا مختصر جواب اگرچہ روزنامہ جنگ کے کالم ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ میں شائع ہو چکا ہے مگر دارالعلوم کراچی کا فتویٰ شائع نہیں ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلے ایک ایسی خاتون کا مرتب کردہ ہے سوال نامہ ہے جو براہ راست اس فتنہ سے متاثر رہی ہے، اس کے بعد راقم الحروف کا جواب ہے، اور آخر میں دارالعلوم کراچی کا جواب ہے، اور سب سے آخر میں اختتامیہ کلمات ہیں، چونکہ دارالعلوم کراچی کے فتویٰ میں قرآنی آیات اور دوسری نصوص کے ترجمے نہیں تھے اس لئے افادہ عام کی خاطر قرآنی آیات اور عربی عبارتوں کے ترجمے کر دیئے گئے ہیں، قرآنی آیات کا ترجمہ حضرت تھانویؒ کے ترجمہ سے نقل کیا گیا ہے :

سوال نامہ :

سوال : محترم مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب . السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احوال حال کچھ اس طرح ہے کہ حیثیت مسلمان میں اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے دین کو ضرب پہنچانے اور اس کے عقائد کی عمارت کو مسمار کرنے کی جو کوششیں کی جا رہی ہیں، اس کے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنے کی حتی الوسع کوشش کرنا چاہتی ہوں۔

محترم یہاں پر چند تنظیموں کی جانب سے نام نہاد پمفلٹ آڈیو/وڈیو کیسٹس کے ذریعے ایسا لٹریچر فراہم کیا جا رہا ہے جس سے بڑا طبقہ شکوک و شبہات اور بے یقینی کی کیفیت کا شکار ہو رہا ہے۔ پاکستان، جسے اسلامی فلسفہ و فکر کے ذریعے حاصل کیا گیا اس کے شہر کراچی میں ایک تنظیم ”القرآن ریسرچ سینٹر“ کے نام سے عرصہ چھ سات سال سے قائم ہے اس تنظیم کے بنیادی عقائد مندرجہ ذیل ہیں:

۱:..... دنیا کے وجود میں آنے سے پہلے انسانیت کی بھلائی کے لئے قرآن پاک معجزانہ طور اکٹھا دنیا میں موجود تھا، مختلف انبیاءؑ پر مختلف ادوار میں مختلف کتابیں نازل نہیں ہوئیں، بلکہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے پکارا گیا، کبھی توریت، کبھی انجیل اور کبھی زبور کے نام سے۔

قرآن جو جہاں اور جس وقت پڑھ رہا ہے اس پر اسی وقت نازل ہو رہا ہے اور جہاں ”قل“ کہا گیا ہے وہ اس انسان کے لئے کہا جا رہا ہے جو پڑھ رہا ہے۔

۲:..... انبیاءؑ کا کوئی مادی وجود نہیں رہا، اس دنیا میں وہ نہیں بچھ گئے، بلکہ وہ صرف انسانی ہدایت کے لئے SYMBOLS کے طور پر استعمال کئے گئے اور موجودہ دنیا سے ان کا کوئی مادی تعلق نہیں۔ قرآن شریف کے اندر وہ انسانی

رہنمائی کے لئے صرف فرضی کرداروں اور کہانیوں کی صورت میں موجود ہیں۔
 ۳۔ قرآن شریف میں چونکہ حضورؐ کو زمان حال یعنی Present میں پکارا گیا ہے
 لہذا حضورؐ حیثیت روح ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہیں اور وہ مادی وجود سے مبرا ہیں
 اور نہ تھے۔

۴۔ حضورؐ کی دیگر انبیاء پر کوئی فضیلت نہیں، وہ دیگر انبیاء کے برابر ہیں، بلکہ حضرت
 موسیٰؑ، بعض معنوں اور حیثیتوں میں یعنی قرآن پاک نے بنی اسرائیل، اور
 حضرت موسیٰؑ کا کثرت سے ذکر کیا، جس کی وجہ سے ان کی فضیلت حضورؐ پر زیادہ
 ہے۔ حضورؐ کے متعلق جتنی بھی احادیث تاریخ اور تفسیر میں موجود ہیں وہ
 انسانوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں۔

ان تمام عقائد کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ قرآن و سنت کے مطابق یہ فتویٰ
 دیں کہ :

- ۱..... یہ عقائد اسلام کی رو سے درست ہیں یا نہیں ؟
 - ۲..... اس کو اپنانے والا مسلمان رہے گا ؟
 - ۳..... ایسی تنظیموں کو کس طرح روکا جائے ؟
 - ۴..... ایسے شخص کی بیوی کے لئے کیا حکم ہے ؟ جس کے عقائد قرآن و سنت
 کے مطابق ہیں جو تمام انبیاءؑ تمام کتابوں آخرت کے دن اور احادیث پر مکمل یقین
 اور ایمان رکھتی ہو ؟
 - ۵..... آخر میں مسلمانیت کے ناطے اپیل ہے کہ ایسے اشخاص سے بھرپور
 مناظرہ کیا جائے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم سے کوئی بات کرنے کی ہمت نہیں
 کر سکتا کیونکہ ہم سچے مسلمان ہیں۔
- ایک خاتون - کراچی

۳۰۳ راقم الحروف کا جواب :

جواب : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میری بہن! یہ فتنوں کا زمانہ ہے اور جس شخص کے ذہن میں جو بات آجاتی ہے وہ اس کو بیان کرنا شروع کر دیتا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ سلف بیزاروں اور انکار حدیث کا نتیجہ ہے، اور جو لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں وہ پورے دین کا انکار کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارہ میں میں اپنے رسالہ ”انکار حدیث کیوں؟“ میں لکھ چکا ہوں کہ :

”آپ ﷺ کے پاک ارشادات کے ساتھ بے اعتنائی برتنے والوں اور آپ کے اقوال شریفہ کے ساتھ تمسخر کرنے والوں کے متعلق اعلان کیا گیا کہ ان کے قلوب پر خدائی مہر لگ چکی ہے، جس کی وجہ سے وہ ایمان و یقین اور رشد و ہدایت کی استعداد گم کر چکے ہیں اور ان لوگوں کی ساری تگ و دو خواہش نفس کی پیروی تک محدود ہے، چنانچہ ارشاد الہی ہے :

”وَمَنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنفًا وَلِلَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ —“ (محمد : ۱۶)

ترجمہ : ”اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کان لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تحقیر کے طور پر) کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی کیا بات

فرمائی تھی؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر
مہر کر دی، اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔“

(ترجمہ حضرت تھانوی)

قرآن کریم نے صاف صاف یہ اعلان بھی کر دیا کہ
انبیاء کرام علیہم السلام کو صرف اسی مقصد کے لئے بھیجا جاتا
ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی اطاعت سے انکار اور آپ کے ارشادات سے سر تانی
کرنا، گویا انکار رسالت کے ہم معنی ہے۔ اس طرح آپ کی
اطاعت کے منکرین، انکار رسالت کے مرتکب ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو جب قرآن ہی
وحی خداوندی بتلاتا ہے: ”وما ينطق عن الهوى“ ان ہو
الا وحی یوحی“ اور آپ کے کلمات طیبات کو جب قرآن
ہی ”گفتہ او گفتہ اللہ بود“ کا مرتبہ دیتا ہے تو بتلایا جائے کہ
حدیث نبوی کے حجت دینیہ ہونے میں کیا کسی شک و شبہ کی
گنجائش رہ جاتی ہے؟ اور کیا حدیث نبوی کا انکار کرنے سے کیا
خود قرآن ہی کا انکار لازم نہیں آئے گا؟ اور کیا فیصلہ نبوت
میں تبدیلی کے معنی خود قرآن کو بدل ڈالنا نہیں ہوں گے؟
اور اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ قرآن کریم بھی تو امت نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان مبارک سے سنا، اور

سن کر اس پر ایمان لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ”یہ قرآن ہے“، یہ ارشاد بھی تو حدیث نبوی ہے، اگر حدیث نبوی حجت نہیں تو قرآن کریم کا قرآن ہونا کس طرح ثابت ہوگا؟ آخر یہ کون سی عقل و دانش کی بات ہے کہ اس مقدس و معصوم زبان سے صادر ہونے والی ایک بات تو واجب التسلیم ہو اور دوسری نہ ہو؟

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

”یہ تو میرے میاں (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کمال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور یہ میرا کلام ہے، ورنہ ہم نے تو دونوں کو ایک ہی زبان سے صادر ہوتے ہوئے سنا تھا۔“

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن تو حجت ہے مگر حدیث حجت نہیں ہے، ان ظالموں کو کون بتلائے کہ جس طرح ایمان کے معاملہ میں خدا اور رسول کے درمیان تفریق نہیں ہو سکتی کہ ایک کو مانا جائے اور دوسرے کو نہ مانا جائے، ٹھیک اسی طرح کلام اللہ اور کلام الرسول کے درمیان بھی اس تفریق کی گنجائش نہیں، کہ ایک کو واجب الطاعت مانا جائے اور دوسرے کو نہ مانا جائے، ایک کو تسلیم کر لیجئے تو

دوسرے کو بہر صورت تسلیم کرنا ہوگا اور ان میں سے ایک کا انکار کر دینے سے دوسرے کا انکار آپ سے آپ ہو جائے گا۔
 خدائی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ اس کے کلام کو تسلیم کرنے کا دعویٰ کیا جائے، اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو ٹھکرایا جائے، وہ ایسے ظالموں کے خلاف صاف اعلان کرتا ہے:

”فانهم لا يكذبونك ولكن الظالمين بآيت الله
 يجحدون“۔

ترجمہ: ”پس اے نبی! یہ لوگ آپ کے کلام کو نہیں ٹھکراتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں۔“

لہذا جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے اور کلام اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں لامحالہ رسول اور کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لانا ہوگا، ورنہ ان کا دعویٰ ایمان حرف باطل ہے۔“

جس تنظیم کا آپ نے تذکرہ کیا ہے ان عقائد کے رکھنے والے مسلمان نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے دین کی پوری پوری عمارت کو مسمار کر دینے کا عزم کر لیا ہے، نیز انہوں نے تمام شعائر اسلام اور قرآن وحدیث اور انبیاء اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کا انکار کیا ہے، اور جو لوگ اسلامی معتقدات کا انکار کریں، ان میں تاویلات باطلہ کریں، اور اپنے کفر کو اسلام باور کرائیں، وہ ملحد و زندیق ہیں،

اور زندیق، کافر و مرتد سے بڑھ کر ہے، اس لئے کہ وہ بکرے کے نام پہ خنزیر کا گوشت فروخت کرتا ہے، اور امت مسلمہ کو دھوکہ دے کر ان کے ایمان و اسلام کو غارت کرتا ہے، اسی بنا پر اگر زندیق گرفتار ہونے کے بعد توبہ بھی کر لے تو اس کی توبہ کا اعتبار نہیں، اس لئے حکومت پاکستان کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو اس الحاد و ندقہ سے روکے، اگر رک جائیں تو فہم اور نہ ان پر اسلامی آئین کے مطابق ارتداد و ندقہ کی سزا جاری کرے۔

اہل ایمان کا ان سے رشتہ ناطہ بھی جائز نہیں، اگر ان میں سے کسی کے نکاح میں کوئی مسلمان عورت ہو تو اس کا نکاح بھی فسخ ہو جاتا ہے۔
جہاں تک مناظرے کا تعلق ہے، ان حضرات سے مناظرہ بھی کر کے دیکھا، مگر ان کے دل میں جو بات بیٹھ گئی ہے اس کو قبر کی مٹی اور جہنم کی آگ ہی دور کر سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

دارالعلوم کراچی کا جواب :

الجواب حامداً ومصلیاً

(۱)۔ (۲)۔۔۔۔۔ سوال میں ذکر کردہ اکثر عقائد قرآن و سنت اور اجماع امت کی تصریحات اور موقف کے بالکل خلاف ہیں، اس لیے اگر کسی شخص کے واقعتاً یہی عقائد ہیں تو وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، اور اس کے ماننے والے بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

مذکورہ نظریات و عقائد کا قرآن و سنت کی رو سے باطل ہونا ذیل میں ترتیب وار تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں :

۱:.... یہ (کہنا کہ قرآن پاک کو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے پکارا گیا، کبھی تورات، کبھی انجیل اور کبھی زیور، اور مختلف ادوار میں مختلف کتابیں نازل نہیں ہوئیں) کفریہ عقیدہ ہے کیونکہ پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ صحف آسمانی کے علاوہ آسمانی کتابیں چار ہیں، اور قرآن کریم میں اسکی تصریح ہے کہ قرآن کے علاوہ تین آسمانی کتابیں اور ہیں جن میں سے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر، اور زیور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی، لہذا قرآن کے علاوہ مذکورہ تین کتب کے مستقل وجود کا انکار کرنا درحقیقت قرآن کریم کی ان آیات کا انکار کرنا ہے جن میں ان کتابوں کے مستقل وجود کا ذکر ہے، درج ذیل آیات اور ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں :

☆ ”وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ مِنْ قَبْلِ هَذِهِ لِلنَّاسِ۔“

(آل عمران: ۳)

ترجمہ: ”اور (اسی طرح) بھیجا تھا تورات اور انجیل کو اس کے قبل لوگوں کی ہدایت کے واسطے۔“ (ترجمہ حضرت تھانوی)

☆ ”وَمَا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ۔“

(آل عمران: ۶۵)

ترجمہ: ”حالانکہ ہمیں نازل کی گئی تورات اور انجیل مگر ان کے (زمانہ کے بہت) بعد۔“ (ترجمہ حضرت تھانوی)

☆ ”و آتیناہ الانجیل فیہ ہدی و نور“ (مائدہ: ۴۶)
ترجمہ: ”اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور وضوح تھا۔“

☆ ”ولیحکم اہل الانجیل بما انزل اللہ فیہ“ (مائدہ: ۴۷)
ترجمہ: ”اور انجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں نازل فرمایا ہے اس کے موافق حکم کیا کریں۔“
☆ ”واذ علمتک الكتاب والحکمة والتوراة والانجیل“ (مائدہ: ۱۱۰)

ترجمہ: ”اور جب کہ میں نے تم کو کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور تورات اور انجیل تعلیم کیں۔“

☆ ”الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندهم فی التوراة والانجیل“ (اعراف: ۱۵۷)
ترجمہ: ”جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔“

☆ ”ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر أن الارض یرثہا عبادی الصالحون“ (الانعام: ۱۰۵)

ترجمہ: ”اور ہم (سب آسمانی) کتابوں میں لوح محفوظ (میں لکھنے) کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین (جنت) کے مالک

میرے نیک مدے ہوں گے۔“

☆ ”ولقد فضلنا بعض النبيين على بعض وآتيناهم داود
زبوراً۔“ (اسراء: ۵۵)

ترجمہ: ”اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے،
اور ہم داؤد (علیہ السلام) کو زبور دے چکے ہیں۔“

☆ ”فاتوا بالتوراة فاتلوها ان كنتم صادقين۔“
(آل عمران: ۹۳)

ترجمہ: ”پھر تورات لاؤ، پھر اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو۔“

☆ ”وكيف يحكمونك وعندهم التوراة فيها حكم
الله۔“ (مائدہ: ۴۳)

ترجمہ: ”اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان
کے پاس تورات ہے، جس میں اللہ کا حکم ہے۔“

(ترجمہ حضرت تھانوی)

☆ ”انا أنزلنا التوراة فيها هدى ونور۔“ (مائدہ: ۴۴)

ترجمہ: ”ہم نے تورات نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت
تھی اور وضوح تھا۔“

☆ ”وقفینا علی آثارہم بعیسیٰ ابن مریم مصداقاً لما بین
یدیه من التوراة۔“ (مائدہ: ۴۶)

ترجمہ: ”اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو اس حالت

میں سمجھا کہ وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق فرماتے تھے۔“
(ترجمہ حضرت تھانوی)

☆ ”انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراة۔“
(مف: ۶)

ترجمہ: ”میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو تورات (آپجی) ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں۔“
(ترجمہ حضرت تھانوی)

☆ ”ومن یکفر باللہ وملائکتہ وکتابہ ورسالہ والیوم الآخر فقد ضل ضلالا بعیدا۔“
(نساء: ۱۳۶)

ترجمہ: ”اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا انکار کرے، اور اس کے فرشتوں کا، اور اس کی کتابوں کا، اور اس کے رسولوں کا، اور روز قیامت کا، تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دور جا پڑا۔“

(ترجمہ حضرت تھانوی)

☆ ”کل آمن باللہ وملائکتہ وکتابہ ورسالہ۔“

(آل عمران: ۲۸۵)

ترجمہ: ”سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ۔“

اور یہ کہنا کہ قرآن جو جس وقت پڑھ رہا ہے اس پر اسی وقت نازل ہو رہا

ہے اور ”قل“ اسی کیلئے کہا جا رہا ہے جو پڑھ رہا ہے۔“ یہ بھی تعبیر کے لحاظ سے غلط ہے، کیونکہ قرآن کریم ایک مرتبہ آپ ﷺ پر پورا نازل ہو چکا ہے، اس کے اولین اور آخرین براہ راست مخاطب آپ ﷺ ہیں، اب جو شخص پڑھ رہا ہے وہ قرآن کا اولین اور براہ راست مخاطب نہیں ہے بلکہ حضور ﷺ کے واسطے سے مخاطب ہے اور اس اعتبار سے اپنے آپ کو مخاطب سمجھنا بھی چاہئے۔

۲..... یہ عقیدہ بھی کفریہ ہے، (کہ انبیاء کا مستقل کوئی وجود نہیں تھا) کیونکہ قرآن کریم کی متعدد آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ انبیاء کا مستقل وجود تھا وہ دنیا میں لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے اور وہ بعثت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، انہوں نے عام انسانوں کی طرح دنیا میں زندگی گزاری، ان میں بھری حوائج اور مادی صفات پائی جاتی تھیں، چنانچہ وہ کھاتے بھی تھے، پیتے بھی تھے اور انہوں نے نکاح بھی کئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ سے معجزات بھی ظاہر فرمائے، انہوں نے اللہ کے راستہ میں جہاد بھی کیا، یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جو اپنے وجود کے لئے مادہ اور مستقل وجود کا تقاضا کرتی ہیں، اس کے بغیر ان کا وجود اور ظہور ہی محال ہے، لہذا یہ کہنا کہ انبیاء کا مادی وجود نہیں رہا، قرآن میں وہ صرف فرضی کرداروں اور کہانیوں کی صورت میں موجود ہیں، بالکل غلط اور قرآن و سنت کی صریح نصوص کے خلاف ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل آیات قرآنیہ ملاحظہ فرمائیں :

☆ ”كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ

وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيُحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

ترجمہ: ”سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشی (کے وعدے) سناتے تھے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ (آسمانی) کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں، اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں ان کے امور اختلافیہ (مذہبی) میں فیصلہ فرمادیں۔“

☆ ”وما نرسل المرسلین الا مبشرين ومنذرين۔“

(الانعام: ۴۸)

ترجمہ: ”اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈراویں۔“

☆ ”يا معشر الجن والانس الم ياتكم رسل منكم يقصون عليكم آياتي وينذرونكم لقاء يومكم هذا۔“

(الانعام: ۱۳۰)

ترجمہ: ”اے جماعت جنات اور انسانوں کی کیا تمہارے پاس تم ہی میں کے پیغمبر نہیں آئے تھے؟ جو تم سے میرے احکام بیان کرتے تھے اور تم کو آج کے دن کی خبر دیا کرتے تھے۔“

(ترجمہ حضرت تھانوی)

☆ ”ولقد ارسلنا رسلا من قبلك وجعلنا لهم ازواجا وذرية۔“

(رعد: ۳۸)

ترجمہ: ”اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے

اور ہم نے ان کو میاں اور چے بھی دیئے۔“ (ترجمہ حضرت تھانوی)
 ☆ ”ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا الله
 واجتنبوا الطاغوت“ (نمل: ۳۶)

ترجمہ: ”اور ہم ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر بھیجتے رہے ہیں
 کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچتے رہو۔“
 (ترجمہ حضرت تھانوی)

☆ ”وما کنا معذین حتی نبعث رسولا“ (اسراء: ۱۵)
 ترجمہ: ”اور ہم (کبھی) سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو
 نہیں بھیج لیتے۔“

☆ ”وما ارسلنا قبلك من المرسلین الا انهم لیاکلون
 الطعام ویمشون فی الاسواق“ (فرقان: ۲۰)
 ترجمہ: ”اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا
 بھی کھاتے تھے لو بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔“
 (ترجمہ حضرت تھانوی)

☆ ”وکم ارسلنا من نبی فی الاولین، وما یاتیهم من نبی
 الا کانوا به یتستھزون“ (زخرف: ۶-۷)

ترجمہ: ”اور ہم پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجتے رہے ہیں
 اور ان لوگوں کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ
 انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو۔“

☆ ”کما ارسلنا فیکم رسولا یتلوا علیکم آیاتنا
ویرکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمة ویعلمکم مالهم
تکونوا تعلمون“۔ (قرہ: ۱۵۱)

ترجمہ: ”جس طرح تم لوگوں میں ہم نے ایک (عظیم
الشان) رسول کو بھیجا تم ہی میں سے ہماری آیات
(واحکام) پڑھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں اور (جہالت
سے) تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں اور تم کو کتاب (الہی) اور
فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور تم کو ایسی (مفید) باتیں تعلیم
کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی۔“

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

☆ ”وقالوا مال هذا الرسول یا کل الطعام ویمشی فی
الاسواق“۔ (فرقان: ۷)

ترجمہ: ”اور یہ (کافر) لوگ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ (ہماری
طرح) کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔“

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

☆ ”لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا من
انفسہم یتلوا علیہم آیاتہ ویرکیہم ویعلمہم الکتاب
والحکمة“۔ (آل عمران: ۱۶۳)

ترجمہ: ”حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جب کہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں، اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں۔“

☆ ”هو الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله“
(فتح: ۲۸)

ترجمہ: ”وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت دی، اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر دنیا میں بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے۔“ (ترجمہ حضرت تھانوی)

☆ ”رسولا يتلو عليكم آيات الله مبينات ليخرج الذين آمنوا وعملوا الصالحات من الظلمات الى النور“

(طلاق: ۱۰)

ترجمہ: ”ایک ایسا رسول (بھیجا) جو تم کو اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں، تاکہ ایسے لوگوں کو کہ جو ایمان لاویں اور اچھے عمل کریں (کفر و جہل کی) تاریکیوں سے نور کی طرف لے آویں۔“

☆ ”لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين رؤوف رحيم“
(توبہ: ۱۲۸)

ترجمہ: ”(اے لوگو) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں، جو تمہاری جنس (بشر) سے ہیں، جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے بالخصوص) ایمان داروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔“

☆ ”یا ایہا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تحهروالہ بالقول“
(حجرات: ۲)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو، اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو۔“

۳: قرآن کریم میں حضور اکرم ﷺ کو زمانہ حال میں جو خطاب کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت قرآن کریم کا نزول آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو رہا تھا اس وقت آپ اپنے مادی وجود کے ساتھ دنیا میں موجود تھے اس لئے زمانہ حال میں آپ ﷺ سے خطاب کیا گیا، یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کی حیثیت روح ہر وقت ہر جگہ موجود ہیں۔

یہ عقیدہ (رکھنا کہ چونکہ قرآن شریف میں صیغہ حال سے پکارا گیا ہے اس لئے حضور ﷺ کی حیثیت روح ہر جگہ موجود ہیں اور وہ مادی وجود سے مبرا ہیں) قرآن و سنت کی صریح نصوص اور اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کے خلاف ہے۔ علمائے

لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر جگہ موجود ہیں اسی طرح حضور اکرم ﷺ بھی ہر وقت ہر جگہ موجود ہیں، تو یہ کھلا ہوا شرک ہے اور نصاریٰ کی طرح رسول کو خدائی کا درجہ دینا ہے، اور اگر کوئی شخص کسی تاویل کے ساتھ یہ عقیدہ رکھتا ہے تب بھی اس عقیدہ کے غلط اور فاسد ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور ایسا شخص گمراہ ہے۔ ملاحظہ ہو: جواہر الفقہ ص ۱۱۵ ج ۱، تبرید النواظر مصنفہ مولانا سر فراز صفدر صاحب مدظلہم،

۴: اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ حیثیت مجموعی تمام انبیاء سے افضل ہیں، البتہ بعض جزئیات اور واقعات میں اگر کسی نبی کو کوئی فضیلت حاصل ہے تو وہ اس کے معارض نہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف کلام حاصل ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صفت ”خلت“ حاصل ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام جزئی فضیلتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجموعی فضیلت کے منافی اور اس کے معارض نہیں ہیں۔

اور یہ کہنا کہ ”حضور ﷺ کے متعلق جتنی بھی احادیث، تاریخ اور تفسیر میں موجود ہیں وہ انسانوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں“۔ درحقیقت احادیث نبویہ کا انکار ہے جو کہ موجب کفر ہے پوری امت محمدیہ کا اس پر اجماع ہے کہ حدیث قرآن کریم کے بعد دین کا دوسرا اہم ماخذ ہے، قرآن کریم نے جس طرح اللہ رب العزت کے احکام کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے اسی طرح جناب رسول کریم ﷺ کے افعال و اقوال کی بھی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے، لہذا قرآن میں بہت سے ایسے احکام ہیں جن کی تفصیل قرآن میں مذکور نہیں، بلکہ ان کی

تفصیلات اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کے بیان اور عمل پر چھوڑ دی ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے احادیث میں ان کی تفصیلات اور ان پر عمل کرنے کا طریقہ، اپنے قول و فعل سے بیان کیا، اگر احادیث انسانوں کی من گھڑت ہیں تو قرآن کریم کے ایسے احکام پر عمل کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ اور یہ ہمیں کیسے معلوم ہوگا؟

اور اللہ رب العزت نے جس طرح قرآن کریم کے الفاظ کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے اسی طرح قرآن کریم کے معانی کی بھی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، اور معانی قرآن کی تعلیم حدیث ہی میں ہوئی، اور جن ذرائع سے قرآن کریم ہم تک پہنچا ہے انہی ذرائع سے احادیث بھی ہم تک پہنچی ہیں، اگر یہ احادیث من گھڑت ہیں اور یہ ذرائع قابل اعتماد نہیں تو یہ امکان قرآن کریم میں بھی ہو سکتا ہے، تو پھر تو قرآن کریم کو بھی نعوذ باللہ من گھڑت کہنا لازم آتا ہے، لہذا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح قرآن کریم اب تک محفوظ چلا آ رہا ہے اسی طرح احادیث بھی محفوظ چلی آرہی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا بے نظیر انتظام فرمایا ہے جس کی تفصیل تدوین حدیث کی تاریخ سے معلوم ہو سکتی ہے، لہذا احادیث کو انسانوں کی من گھڑت کہانیاں قرار دینا صریح کفر الہی اور موجب کفر ہے۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ”حجیت حدیث“ مصنفہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم، ”کلمات حدیث عمد رسالت و عمد صحابہ میں“ مصنفہ مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم، ”حفاظت و حجیت حدیث“ مصنفہ مولانا منیم عثمانی صاحب۔

۳۔۔۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ جو شخص یا تنظیم ایسے عقائد کی حامل ہو اس سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھیں، اور ان کے لڑپچر اور کیسٹ وغیرہ سے مکمل احتراز کریں،

خود بھی عجیب اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کریں، اور ارباب حکومت کو بھی ایسی تنظیم کی طرف توجہ دلائیں تاکہ ان پر پابندی لگائی جاسکے۔

۴۔۔۔۔۔ جو شخص مذکورہ عقائد کو بغیر کسی مناسب تاویل کے مانتا ہے وہ شخص مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، اس کی مسلمان بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی، اب اس کے عقد میں کوئی مسلمان عورت نہیں رہ سکتی، اور نہ کسی مسلمان عورت کا اس سے نکاح ہو سکتا ہے۔

مذکورہ بالا شخص کے عقائد قرآن و سنت، اجماع امت اور اکابر علماء اہل سنت والجماعت کی تصریحات کے خلاف ہیں، اس کے لیے درج ذیل تصریحات ملاحظہ ہوں :

”فی شرح العقائد: ۲۱۷: ولله تعالى كتب انزلها على انبياءه وبين فيها امره ونهيه ووعدده ووعدده وكلها كلام الله تعالى..... وقد نسخت بالقرآن تلاوتها وكتابتها وبعض أحكامها، وفي الحاشية قوله ”ولله كتب“ ركن من ارکان ما يجب به الايمان مما نطقت النصوص القرآنيه والاخبار النبويه۔“

ترجمہ: ”شرح عقائد ص: ۲۱۷ میں ہے: ”کہ اللہ تعالیٰ کی (قرآن کے علاوہ) کئی کتابیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء پر نازل فرمایا اور ان کتابوں میں امر و نہی، وعدہ و وعید کو بیان فرمایا اور یہ تمام کتابیں کلام الہی ہیں..... اور قرآن مجید

کے نازل ہونے پر ان سابقہ کتب کی تلاوت اور کتبات اور ان کے بعض احکام کو منسوخ کیا گیا، اور حاشیہ میں ہے: قولہ ”واللہ کتب“ یعنی ایمان کے ارکان میں سے ایک رکن یہ بھی ہے کہ ان سابقہ کتب پر ایمان لایا جائے جن کے بارہ میں نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ شہادت دیتی ہیں۔“

وفیہ ۴۵:۵: والرسول انسان بعثہ اللہ تعالیٰ الی الخلق لتبلیغ الاحکام۔

ترجمہ: ”اور شرح عقائد ص ۴۵ میں ہے: اور رسول وہ انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لیے مبعوث فرماتے ہیں۔“

وفی شرح المقاصد: ۵/۵: النبی انسان بعثہ اللہ تعالیٰ لتبلیغ ما اوحی الیہ وکذا الرسول۔“

ترجمہ: ”اور شرح مقاصد ص ۵ ج ۵ میں ہے کہ: نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ ان احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجتے ہیں جو ان کی طرف وحی فرماتے ہیں اور رسول کی تعریف بھی یہی ہے۔“

وفی شرح العقیدة الطحاویة لابن ابی العز: ۲۹۷۰: قوله ونؤمن بالملائكة والنبیین والکتب المنزلة علی المرسلین ونشهد انہم کانوا علی الحق

المبین - هذه الامور من اركان الايمان قال تعالى: آمن الرسول بما انزل اليه من ربه والمؤمنون كل آمن بالله وملائكته وكتبه ورسله - (البقره: ۲۸۵)

وقال تعالى: ليس البر ان تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من آمن بالله واليوم الآخر والملائكة والكتاب والنبين - (البقره: ۱۷۷)

فجعل الله سبحانه وتعالى الايمان هو الايمان بهذه الجملة وسمى من آمن بهذه الجملة مومنين كما جعل الكافرين من كفر بهذه الجملة بقوله: ومن يكفر بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر فقد ضل ضلالا بعيدا - (النساء: ۱۳۶)

ترجمہ: ”اور ابن ابوالعزّ کی شرح عقیدہ طحاویہ کے ص ۲۹۷ میں ہے کہ: ہم ایمان لاتے ہیں ملائکہ پر، نبیوں پر اور ان پر نازل ہونے والی تمام کتابوں پر اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ (رسول) سب کے سب حق پر تھے - اور یہ تمام امور ارکان ایمان میں سے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور مومنین بھی سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ، اور اس کی کتابوں کے ساتھ، اور اس کے پیغمبروں میں سے کسی سے تفریق نہیں

کرتے۔“ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”کچھ سارا کمال اس میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو، لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر، اور فرشتوں پر اور کتب پر اور پیغمبروں پر۔“

(ان دلائل سے معلوم ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے ایمان ہی اس چیز کو قرار دیا ہے کہ ان تمام چیزوں پر ایمان ہو اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ”مومنین“ نام ہی ان لوگوں کا رکھا ہے جو ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ”کافرین“ ان لوگوں کو کہا گیا ہے جو ان تمام چیزوں کا انکار کرتے ہیں، جیسے کہ ارشاد الہی ہے: ”اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا انکار کرے، اور اس کے فرشتوں کا، اور اس کی کتابوں کا، اور اس کے رسولوں کا، اور روز قیامت کا، تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دور جا پڑا۔“

”وقال فی الحدیث المتفق علی صحته، حدیث جبرئیل، وسواله للنبی صلی اللہ علیہ وسلم وسلم عن الايمان فقال: ان تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله الخ، فهذه الاصول التي اتفقت عليها الانبياء والرسل صلوات الله عليهم وسلامه، ولم يؤمن بها حقيقة الايمان الا اتباع الرسل۔“

ترجمہ: ”اور حدیث جبرئیل، (جس کی صحت پر بخاری و مسلم

متفق ہیں) میں ہے کہ: حضرت جبریلؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ”ایمان یہ ہے کہ تو ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی تمام کتابوں پر، اور تمام رسولوں پر“..... پس یہ وہ اصول ہیں جن پر تمام پیغمبروں اور رسولوں کا اتفاق ہے، اور اس پر صحیح معنی میں کوئی ایمان نہیں لایا مگر وہ جو انبیاء و رسل کے قبیعین ہیں۔“

”وفیه: ۳۱۱: واما الانبیاء والمرسلون فعلمنا الایمان بمن سمی اللہ تعالیٰ فی کتابہ من رسلہ والایمان بان اللہ تعالیٰ ارسل رسلاً سواہم وانبیاء لایعلم اسماءہم وعددہم الا اللہ تعالیٰ الذی ارسلہم.... وعلینا الایمان بانہم بلغوا جمیع ما ارسلوا بہ علی ما امرہم اللہ بہ وانہم بینوہ بیاننا لایسع احدا ممن ارسلوا الیہ جہلہ ولایحل خلافہ الخ

.... واما الایمان بالکتاب المنزلۃ علی المرسلین فنومن بما سمی اللہ تعالیٰ منہا فی کتابہ من التورۃ والانجیل والزبور، ونومن بان اللہ تعالیٰ سوی ذلک کتباً انزلہا علی انبیاء لایعرف اسمائہا وعددہا الا اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: ”اور اسی کتاب کے ص ۳۱۱ پر ہے: رہے انبیاء اور

رسول، پس ہمارے ذمہ واجب ہے کہ ان میں سے ان تمام نبیوں پر ایمان لائیں جن کا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، (اسی طرح) اس پر بھی ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ دوسرے انبیاء اور رسول بھی بھیجے کہ جن کے نام اور تعداد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔۔۔ اور ہم پر لازم ہے کہ ہم اس بات پر ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کو جن احکام کے پہنچانے کا حکم دیا تھا، ان انبیاء نے وہ تمام احکام پہنچا دیئے۔ اور انبیاء نے ان احکام کو اتنا کھول کھول کر بیان کر دیا کہ امت میں سے ناواقف سے ناواقف آدمی کو بھی کوئی اشکال نہ رہا، اور ان کے خلاف کرنا حلال نہ رہا۔۔۔ اور رہا ان کتابوں پر ایمان لانا جن کو رسولوں پر نازل کیا گیا سو ہم ان تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نام لیا ہے، یعنی تورات، انجیل، اور زبور۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان مذکورہ کتابوں کے علاوہ اور کتابیں بھی اپنے انبیاء پر نازل فرمائیں، جن کا نام اور ان کی تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔“

”وفی شرح العقیدة الطحاویة للمیدانی:

۱۰۴: والایمان المطلوب من المكلف هو الايمان

باللہ وملائکتہ وکتبه بانها کلام اللہ تعالیٰ الازلۃ
 القدیم المنزه عن الحروف والاصوات وبانه تعالیٰ
 انزلها علی بعض رسله بالفاظ حادثۃ فی الواح او علی
 لسان ملک وبان جمیع ما تضمنته حق وصدق، ورسله
 بانه ارسلهم الی الخلق لهدایتهم وتکمیل معاشهم
 ومعادهم وایدھم بالمعجزات الدالۃ علی صدقہم
 فبلغوا عنه رسالته الخ۔“

ترجمہ: ”اور میدان کی شرح عقیدہ طحاویہ ص ۱۰۴ پر
 ہے: ”مکلف (یعنی جن وانس) سے جو ایمان مطلوب ہے وہ
 یہ ہے کہ: اللہ پر ایمان لانا، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس
 کی تمام کتابوں پر، اس طرح ایمان لانا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام،
 کلام ازلی اور قدیم ہے، جو حروف اور آواز سے پاک ہے، اور
 نیز اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو اپنے بعض رسولوں پر تختیوں میں
 حادث الفاظ کی صورت میں نازل کیا، یا فرشتہ کی زبان پر
 اتارا۔ اور نیز وہ تمام کا تمام کلام جس پر کتاب مشتمل ہے حق
 اور سچ ہے۔ اور اللہ کے رسول جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق
 کی طرف ان کی ہدایت، اور ان کی تکمیل معاش و معاد کیلئے
 بھیجا، اور ان انبیاء کی ایسے معجزات سے تائید کی جو ان انبیاء کی
 سچائی پر دلالت کرتے ہیں۔ ان انبیاء نے اللہ کے پیغام کو

پہنچایا۔“

”قال القاضي عياض فى شرح الشفاء: ۳۳۵:

واعلم ان من استخف بالقرآن او المصحف او بشيئ

منه او سبه او جحده او حرف منه او آية او كذب به او

بشيئ مما صرح به فيه من حكم او خبر او اثبت ما

نفاه او نفى ما اثبته على علم منه بذلك او شك فى

شيئ من ذلك فهو كافر عند اهل العلم باجماع۔“

ترجمہ: ”علامہ قاضی عیاضؒ شرح شفاء ص ۳۳۵ میں لکھتے

ہیں:

”جان لیجئے کہ جس نے قرآن یا کسی مصحف یا قرآن کی کسی چیز

کو ہلکا جانا یا قرآن کو گالی دی یا اس کے کسی حصہ کا انکار کیا یا کسی

حرف کا انکار کیا یا قرآن کو جھٹلایا، یا قرآن کے کسی ایسے حصہ

کا انکار کیا جس میں کسی حکم یا خبر کی صراحت ہو، یا کسی ایسے

حکم یا خبر کو ثابت کیا جس کی قرآن نفی کر رہا ہے، یا کسی ایسی

چیز کی جان بوجھ کر نفی کی جس کو قرآن نے ثابت کیا ہے، یا

قرآن کی کسی چیز میں شک کیا ہے، تو ایسا آدمی بالاجماع، اہل

علم کے نزدیک کافر ہے۔“

وفى شرح العقائد ۲۱۵: وافضل الانبياء محمد صلى

الله عليه وسلم لقوله تعالى، كنتم خير امة ولا شك ان

خیرۃ الامۃ بحسب کما لہم فی الدین وذلک تابع
لکمال نبیہم الذی یتبعونہ۔“

ترجمہ: ”شرح عقائد ص ۲۱۵ میں ہے کہ: انبیاء میں سے
سب سے افضل حضرت محمد ﷺ ہیں“ اللہ تعالیٰ کے اس
قول کی وجہ سے کہ ”تم بہترین امت ہو“ اور اس میں کوئی
شک نہیں کہ امت کا بہترین ہونا دین میں ان کے کمال کے
اعتبار سے ہے۔ اور امت کا دین میں کامل ہونا یہ تابع ہے ان
کے اس نبی کے کمال کے، جس کی وہ اتباع کر رہے ہیں۔“

وفی مشکوٰۃ: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انا سید ولد آدم
یوم القیمۃ واول من ینشق عنہ القبر واول شافع واول
مشفع۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: ”اور مشکوٰۃ شریف میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی
اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ: ”رسول
اکرم ﷺ نے فرمایا: میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار
ہوں گا، میں پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی قبر کھلے گی، اور میں
سب سے پہلے سفارش کرنے والا ہوں گا، اور سب سے پہلے
میری سفارش قبول کی جائے گی۔“

”وفی المرقاۃ: ۷/۱۰: فی شرح مسلم للنووی....“

وفی الحدیث دلیل علی فضلہ علی کل الخلق لان
مذہب اہل السنۃ ان الآدمی افضل من الملائکۃ وهو
افضل الادمیین بهذا الحدیث۔“

ترجمہ: ”اور مرقاۃ ص ۱۷ میں ہے کہ: ”یہ حدیث
آپ ﷺ کی تمام مخلوق پر فضیلت کی دلیل ہے“ کیونکہ اہل
سنت کا مذہب ہے کہ آدمی ملائکہ سے افضل ہے اور
آپ ﷺ اس حدیث کی بناء پر تمام آدمیوں سے افضل ہیں
(تو گویا آپ ﷺ تمام مخلوقات سے افضل ہوئے۔“

الغرض یہ شخص ضال و مضل اور مرتد و زندق ہے، اسلام اور قرآن کے نام پر
مسلمانوں کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈال رہا ہے، اور سیدھے سادے مسلمانوں کو نبی
آخر الزمان ﷺ کے دامن رحمت سے کاٹ کر اپنے پیچھے لگانا چاہتا ہے۔

حکومت پاکستان کا فرض ہے کہ فوراً اس فتنہ کا سدباب کرے، اور اس
بے دین کی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے اور اسے ایسی عبرت تک سزا دی جائے
کہ اس کی آئندہ آنے والی نسلیں یاد رکھیں، اور کوئی بد بخت آئندہ ایسی جرأت نہ
کر سکے۔

نیز اس کا بھی کھوج لگایا جائے اور اس کی تحقیق کی جائے کہ کن قوتوں
کے اشارہ پر یہ لوگ پاکستان میں اور مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی کی فضا
پیدا کر رہے ہیں؟

امریا المعروف اور نہی عن المنکر

عذاب الہی روکنے کا ذریعہ ہے

م۔۔۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! انشاء اللہ بخیریت ہوں گے۔ ”بینات“ کی ترسیل جاری ہے۔ بروقت پرچہ ملنے پر خوشی کا اظہار کر رہا ہوں۔ خدا کرے ”بینات“ امت مسلمہ کی امتگوں کا آئینہ دار بن جائے۔ ایک عرض ہے کہ یہ دینی رسالہ خالص دینی ہونا چاہئے کسی پر اعتراض و تشفیج مجھے پسند نہیں۔ اس سے نفرت کا جذبہ ابھرتا ہے۔ صدر ضیاء الحق کے بیانات پر اعتراضات یقیناً عوام میں نفرت پھیلنے کا ذریعہ بنتا ہے جس سے مملکت کی بنیادیں کھوکھلی پڑ جانے کا خطرہ ضرور ہے، ویسے بھی ملک اندرونی اور بیرونی خطرات سے دوچار ہے، کہیں بھارت آنکھیں دکھا رہا ہے، تو کہیں کارمل انتظامیہ کی شہ پر روس کی آواز سنی جاتی ہے، کہیں ٹینیسی کے اسلامی انقلاب کی آمد آمد کی خبریں سننے میں آجاتی ہیں۔ کہیں ملک کے اندر ہتھوڑا گروپ، کھلاڑا گروپ وغیرہ کی صدائیں سننے میں آرہی ہیں۔ غرض ایسے حالات میں ذرا سی چنگاری بھی پورے پاکستان کا شیرازہ بکھیر سکتی ہے۔ اس صورت میں پھر یہ ذمہ داری کس پر عائد ہوگی اس بارے میں اگر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے تو نوازش ہوگی۔

ج : آپ کا یہ ارشاد تو بجا ہے کہ وطن عزیز بہت سے اندرونی و بیرونی خطرات میں گھرا ہوا ہے، اور یہ بات بھی بالکل صحیح ہے کہ ان حالات میں حکومت سے بے اعتمادی پیدا کرنا قرین عقل و دانش نہیں، لیکن آنجناب کو معلوم ہے کہ بینات میں یا راقم الحروف کی کسی اور تحریر میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے کسی سیاسی فیصلے کے بارے میں کبھی لب کشائی اور حرف زنی نہیں کی گئی

ع کار مملکت خسرواں دانند

لیکن جہاں تک دینی غلطیوں کا تعلق ہے اس پر تو کتنا نہ صرف یہ کہ اہل علم کا فرض

ہے (اور مجھے افسوس اور ندامت کے ساتھ اعتراف ہے کہ ہم یہ فرض ایک فیصد بھی ادا نہیں کیا ہے) بلکہ یہ خود صدر محترم کے حق میں خیر کا باعث ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کو امیر المومنین حضرت معلویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما کا واقعہ سنانا ہوں، جو حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی قدس سرہ نے ”حیۃ الصحابة“ میں نقل کیا ہے :

واخرج الطبرانی وابو یعلیٰ عن ابی قنیل (۱) عن معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما انه صعد المنبر يوم القمامة فقال عند خطبة: انما المال مالنا، والفی فیئنا فمن شئنا اعطيناه، فمن شئنا منعناه، فلم یجبه احد، فلما کان فی الجمعة الثانية قال مثل ذالک، فلم یجبه احد، فلما کان فی الجمعة الثالثة قال مثل مقالته، فقام الیہ رجل ممن حضر المسجد فقال: کلا انما المال مالنا والفی فیئنا فمن حال بیننا وبینہ حاکمناہ الی اللہ باسیافنا، فنزل معاویۃ رضی اللہ عنہ فارسل الی الرجل فادخله، فقال القوم: هلک الرجل، ثم دخل الناس فوجدوا الرجل معہ علی السریر، فقال معاویۃ رضی اللہ عنہ للناس: ان هذا احیانی احیاء اللہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: سیکون بعدی امرا یقولون ولا یرد علیہم یتقاحمون فی النار کما تتقاحم القردة۔ وان تکلمت اول جمعة فلم یرد علی احد۔ فخشیت

(۱) کنا فی الاصل (یعنی مجمع الزوائد) والظاهر ”ابی

قنیل“ اسمہ حی بن ہانی المعافری وهو ثقة کنا فی کتاب

الجرح والتعذیل لابن ابی حاتم الرازی (ج ۱ ص ۲۵۵)۔

ان اکون منهم۔ ثم تکلمت فی الجمعة الثانية فلم یرد علی احد، فقلت فی نفسی : انی من القوم، ثم تکلمت فی الجمعة الثالثة فقام هذا الرجل، فرد علی، فاحیانی احیاء اللہ

(تلخیص: ج ۵ ص ۲۳۶) رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط

وابو یعلی ورجاله ثقات - انتہی - حیاة الصحابہ ج ۲ ص ۶۸

ترجمہ: حضرت معلویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما قلمہ کے دن ممبرہ تشریف لے گئے، اور اپنے خطبہ میں فرمایا کہ مل ہمارا ہے، اور فنی (غیبت) ہماری ہے۔ ہم جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں نہ دیں۔ ان کی یہ بات سن کر کسی نے جواب نہیں دیا۔ دوسرا جمعہ آیا تو حضرت معلویہ نے اپنے خطبہ میں پھر یہی بات کہی۔ اب کے بھی انہیں کسی نے نہیں ٹوکا، تیسرا جمعہ آیا تو پھر یہی بات کہی۔ اس پر حاضرین مسجد میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا، اور کہا ہرگز نہیں یہ مل ہمارا ہے، اور غیبت ہماری ہے، جو شخص اس کے اور ہمارے درمیان آڑے آئے گا ہم اپنی تلواروں کے ذریعہ اس کا فیصلہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کریں گے۔ حضرت معلویہ رضی اللہ عنہ ممبرہ سے اترے تو اس شخص کو بلا بھیجا، اور اسے اپنے ساتھ اندر لے گئے، لوگوں نے کہا کہ یہ شخص تو مارا گیا، پھر لوگ اندر گئے تو دیکھا کہ وہ شخص حضرت معلویہ کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہے۔ حضرت معلویہ نے لوگوں سے فرمایا کہ ”اس شخص نے مجھے زندہ کر دیا اللہ تعالیٰ اسے زندہ رکھے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ میرے بعد کچھ حکام ہوں گے جو (خلاف شریعت) باتیں کریں گے لیکن کوئی ان کو ٹوکے گا نہیں، یہ لوگ دونوں

میں ایسے تمہیں گے، جیسے بندر گھٹتے ہیں، میں نے پہلے جمعہ کو ایک بات
 کہی، اس پر مجھے کسی نے نہیں ٹوکا، تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں بھی
 انہیں لوگوں میں سے نہ ہوں، پھر میں نے دوسرے جمعہ کو یہ بات
 دہرائی، اس بار بھی کسی نے میری تردید نہیں کی تو میں نے اپنے جی میں
 سوچا کہ میں انہی میں سے ہوں، پھر میں نے تیسرے جمعہ یہی بات کہی تو
 اس شخص نے مجھے ٹوک دیا، پس اس نے مجھے زندہ کر دیا، اللہ تعالیٰ اس
 کو زندہ رکھے۔“

اور یہ نہ صرف صدر محترم کے حق میں خیر و برکت کی چیز ہے، بلکہ امت کی صلاح
 و فلاح بھی اسی پر منحصر ہے، چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
 آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا :

والذی نفسی بیدہ لنا من بال المعروف ولتنہون
 عن المنکر او لیوشکن اللہ ان یبعث علیکم عذابا
 من عنده ثم لتلعنہ ولا یستجاب لکم

(رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ ص ۴۳۶)

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہیں
 معروف کا حکم کرنا ہوگا اور برائی سے روکنا ہوگا ورنہ قریب ہے کہ اللہ
 تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کر دے، پھر تم اس سے دعائیں کرو، اور
 تمہاری دعائیں بھی نہ سنی جائیں۔“

ارشادات نبویہ کی روشنی میں راقم الحروف کا احساس یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی
 عن المنکر کا عمل عذاب الہی کو روکنے کا ذریعہ ہے۔ آج امت پر جو طرح طرح کے
 مصائب ٹوٹ رہے ہیں، اور ہم گونا گوں خطرات میں گھرے ہوئے ہیں اس کی بڑی وجہ یہ
 ہے کہ اسلامی معاشرہ کی ”اعتدالی حس“ کمزور اور ”نہی عن المنکر“ کی آواز بہت دھیمی
 ہو گئی ہے۔ جس دن یہ آواز بالکل خاموش ہو جائے گی اس دن ہمیں اللہ تعالیٰ کی گرفت

سے بچنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس روز بد سے محفوظ رکھیں۔

ٹی وی..... ایک اصلاحی ذریعہ

سوال : اس مرتبہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ بمطابق ۸ اکتوبر ۱۹۹۳ء کا اخبار پڑھنے کے دوران ”مسابوق کی نماز“ کے متعلق سوالوں کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ”ٹی وی ایک لعنت ہے۔“

اس ضمن میں میری گزارشات کو اگر آپ تھوڑی سی توجہ عطا فرمائیں اور مجھے اجازت ہو کہ میں گزارشات پیش کر سکوں۔ تاکہ میری عقل ناقص میں جو خیالات اُٹ رہے ہیں ان کی تسلی و تشفی ہو سکے۔ میں اسلامی شعار کی پابندی کی کوشش کرنے والا ایک حقیر انسان ہوں۔ مجھے یہ خیال آرہا ہے کہ ادائیگی حج کے دوران حج ادا کرنے کے طریقے ٹی وی سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے، ٹی وی کی مدد سے خانہ کعبہ کی زیارت زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو نصیب ہوتی ہے۔ ٹی وی کی مدد سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے قاری صاحبان الفاظ کی ادائیگی اور ساتھ الفاظ کی شناخت کراتے ہیں جس کے باعث عام ٹی وی دیکھنے والوں کو اپنی تلاوت میں غلطیوں کی تصحیح کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ٹی وی کی مدد سے عام لوگوں کو نماز پڑھنے اور نماز میں کھڑا ہونے، تکبیر کے بعد ہاتھ اٹھانے اور پھر ہاتھ باندھنے کے صحیح کھڑے ہونے کا طریقہ سکھایا جاتا ہے۔ رکوع، قومہ، قعدہ، سجدہ اور تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ بار بار لوگوں کے ذہن نشین کرایا جاسکتا ہے۔ لوگ نماز میں کھڑے اکثر ہاتھ ہلاتے اور خشوع خضوع توڑنے کی حرکتیں کرتے ہیں ان کو سہمی اور بصری طریقہ ہائے بیان سے سمجھایا جاسکتا ہے۔ ایک وقت میں ایک عالم دین

ٹی وی پر تقریر کر لے تو سمعی، بصری قوتیں ناظر و سامع کو وہ کچھ جاننے میں آسانی پیدا کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ لہذا معلوم یہ ہوا کہ ٹی وی کو اگر تبلیغ دین اسلام کیلئے استعمال کیا جائے تو یہ ایک انتہائی موثر ذریعہ تبلیغ بن سکتا ہے۔ بلکہ میں تو یہ پروگرام ترتیب دینے کی کوشش میں ہوں کہ ایک عالم اسلام کی مرکزی ٹی وی نشریات ہوں جس کے ذریعے بین الاقوامی زبانوں میں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کی تعلیمات سمعی و بصری ذریعے سے لوگوں تک دنیا کے کونے کونے میں پھیلانی جائیں۔ مکہ المکرمہ میں بین الاقوامی اسلامی مرکز نشریات ہو اور اس سے مسلم دنیا میں اور غیر مسلم دنیا میں اسلامی نشریات پہنچیں اور تبلیغ کا کام بجائے محدود رکھنے کے عام کیا جائے اسی طرح اسلام کا تبلیغی مرکز تعلیمات اسلام کا انسائیکلو پیڈیا تیار کرے۔ بین الاقوامی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو اور ٹی وی تعلیمات اسلامی کے عام کرنے میں استعمال کیا جائے۔ آج ڈش اینٹیاں کی مدد سے لوگوں کے گھروں میں بین الاقوامی اداروں کے فحش لٹریچر اور اخلاق سوز پروگرام لوگ دیکھتے ہیں۔ اگر اسلامی بین الاقوامی ٹی وی نیٹ ورک سے اسلامی پاور فل چینل کی مدد سے اسلامی اخلاقیات عام کی جائیں۔ اخلاق اسلامی پر تیار معاشرہ کی عملی تصویریں پیش کی جائیں تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس سکون قلب کے حصول کی جانب کشش ہو وہ لچر اور اخلاق سوز پروگرام دیکھنے کی بجائے اسلامی بین الاقوامی نشریاتی ادارے کی مبنی بر اخلاقیات عملی زندگی کے نمونے دیکھیں اور اسلام کا پیغام جو صرف سمعی ذریعہ سے پھیلا یا جا رہا ہے بصری ذریعہ سے پھیلے موثر انداز میں۔ اس اہم ذریعہ پیغام رسانی سے اسلام کا پیغام عام ہو لہذا مندرجہ بالا امور ٹی وی کو اور اس کے استعمال کو باعث برکت و رحمت بنا سکتے ہیں۔

جواب : ----- آپ کے خیالات لائق قدر ہیں مگر یہ نکتہ آپ کے ذہن میں رہنا چاہئے کہ دین اسلام دین ہدایت ہے جس کی دعوت و تبلیغ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ نے، حضرات تابعینؓ نے، ائمہ دینؓ نے، بزرگان دینؓ نے، علمائے امتؓ نے اس فریضہ کو ہمیشہ انجام دیا۔ ہدایت پھیلانے کا کام انہی حضرات کے نقش قدم پر چل کر ہو سکتا ہے ان کے راستے سے ہٹ کر نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ کالاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج بھی دین کی دعوت کا کام اسی منہاج پر ہو رہا ہے۔ تبلیغ دین کے لئے ایسے ذرائع اختیار کرنے کی اجازت ہے جو بذات خود مباح اور جائز ہوں۔ حرام اور ناجائز ذرائع اختیار کر کے ہدایت پھیلانے کا کام نہیں ہو سکتا، کیونکہ ناجائز ذرائع خود شر ہیں، شر کے ذریعہ شر تو پھیل سکتا ہے۔ شر کے ذریعہ خیر اور ہدایت کو پھیلانے کا تصور ہی غلط ہے۔ ٹی وی کا مدار تصویر پر ہے اور ہماری شریعت نے تصویر سازی کو حرام قرار دیا ہے۔ اب جو چیز کہ شرعاً حرام ہو اس کو ہدایت پھیلانے کا ذریعہ کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ اس سے شر و گمراہی کو تو فروغ ہو سکتا ہے لیکن اگر آپ چاہیں کہ اس کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں ایمان اور ہدایت اتار دیں تو یہ خیال محض خیال ہے۔ ہزاروں لوگ ٹی وی پر ”دینی پروگرام“ دیکھتے ہیں لیکن ان میں سے ایک آدمی بھی نہیں ملے گا جس نے ٹی وی دیکھ کر ایمان سیکھ لیا ہو اور اس نے گناہوں سے توبہ کر کے نیک اور پاک زندگی اختیار کر لی ہو۔ ہاں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو ٹی وی دیکھ کر گمراہ ہو گئے اور ان کے اندر ایمان کی جو رمتن باقی تھی اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ آپ نے جتنی بھی مثالیں دی ہیں وہ صحیح ہیں لیکن ٹی وی کی مثال غلط ہے کیونکہ میں بتا چکا ہوں کہ ٹی وی تصویر کی وجہ سے نجس العین ہے۔ اس لئے آپ کا یہ

کہنا کہ ٹی وی برا نہیں، غلط ہے۔ خنزیر کا آپ اچھا استعمال کریں یا برا، وہ ہر حال میں نجس العین ہے اس کے اچھے استعمال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

”غرض یہ کہ“ کہہ کر آپ نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ بھی غلط ہے، کیونکہ آپ کا یہ نظریہ کہ ”کوئی چیز بھی بذات خود اچھی یا بری نہیں“ غلط ہے، میرا کہنا یہ ہے کہ جس چیز کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے وہ بذات خود بری ہے اس کو کسی اچھائی کے لئے استعمال کرنا اس سے زیادہ برا ہے۔ آپ نے یہ اصول مقرر کرتے وقت یہ بات ذہن میں رکھی کہ ہمارے دین نے دنیا کی کسی چیز کو نہ بذات خود اچھا قرار دیا ہے اور نہ کسی چیز کو بذات خود برا قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ بات صریحاً غلط ہے۔ شریعت نے تمام چیزوں کو تین حصہ میں تقسیم کیا ہے کچھ چیزیں بذات خود اچھی ہیں، کچھ چیزیں بذات خود بری ہیں اور کچھ چیزیں نہ بذات خود اچھی ہیں نہ بری، آپ کا یہ اصول تیسری قسم میں تو جاری ہوتا ہے کہ ایسی چیز کا استعمال اچھا ہو تو اچھی ہیں برا ہو تو بری ہیں۔ لیکن جو چیزیں کہ بذات خود بری ہیں، نجس العین ہیں حرام ہیں ان کی اچھائی برائی انکے استعمال پر موقوف نہیں، ان کا برا استعمال ہو تب بھی بری ہیں اور اگر بالفرض محال اچھا استعمال ہو تب بھی بری ہیں۔ ٹی وی نجس العین ہے۔ اس کا برا استعمال بھی برا ہے اور اچھا استعمال بھی برا ہے بلکہ بدتر ہے کہ دین کو اس گندگی کے ساتھ ملوث کرنا بجائے خود ایک جرم ہے۔

سنت کے مطابق بال رکھنے کا طریقہ

سوال (۱) : — بال رکھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے کس طرح کے بال رکھے تھے۔ بٹے رکھے تو کتنے بڑے رکھے تھے؟ اگر چھوٹے بال تھے؟ تو کتنے چھوٹے تھے؟ آج کل انگریزی بال بنائے جاتے ہیں۔ اس طرح کے بال دین دار اور عام لوگ دونوں رکھتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب : ----- آج کل جو بال رکھنے کا فیشن ہے یہ تو سنت کے خلاف ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک پر بال رکھتے تھے، اور وہ عام طور سے کانوں کی لو تک ہوتے تھے، کبھی اصلاح کرنے میں دیر ہو جاتی تو اس سے بڑھ بھی جاتے تھے، لیکن آج کل جو نوجوان سر پر بال رکھتے ہیں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں بلکہ غیر قوموں کی نقل ہے۔

سوال (۲) : ----- فجر کی نماز ایک مسجد میں پڑھی، پھر کسی کام سے مسجد سے باہر جانا ہوا، اشراق کی نماز دوسری مسجد میں یا گھر پر پڑھ سکتے ہیں یا کہ اسی مسجد میں بیٹھے رہیں؟

جواب : ----- اگر کسی ضرورت سے جانا پڑے تو دوسری جگہ بھی اشراق کی نماز پڑھ سکتے ہیں، خواہ گھر پر پڑھیں یا کسی اور مسجد میں، البتہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اور پھر اپنی جگہ بیٹھا رہے یہاں تک کہ اشراق کا وقت ہو جائے اور پھر اٹھ کر دو رکعتیں یا چار رکعتیں اشراق کی نماز پڑھے تو اس کو ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملتا ہے۔

دین پر عمل کرنے کی راہ میں رکاوٹیں

سوال : — ہم لوگ ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ زندگی اچھی گزر رہی ہے لیکن دنیا کی نظروں میں تو ظاہر ہے کہ ہم غریب ہیں۔ اس پر ستم یہ کہ ہم الحمد للہ پردہ کو اپنائے ہوئے ہیں اور آپ تو جانتے ہیں کہ آج کے معاشرے میں غریب لڑکیوں اور خاص کر باپردہ لڑکیوں کو کس نظر سے دیکھا جاتا ہے جیسے وہ کسی اور دنیا کی مخلوق ہوں۔ خیر ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں اللہ ہم پر رحم فرمائے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے ماں باپ ہمارے رشتوں کی طرف سے بہت پریشان ہیں۔ پہلے تین بہنوں کے رشتے آتے ہی نہیں تھے اور جو آتے تھے وہ بہت آزاد خیال لوگوں کے۔ آخر کار تھک ہار کر جب بہنوں کی عمریں نکلنے لگیں تو ایسے گھرانوں میں ہی رشتے طے کر دیئے گئے کہ جن کے یہاں بس دکھاوے کو خدا کا نام لیا جاتا ہے لیکن والد صاحب نے رشتہ طے کرتے وقت شرط رکھی تھی کہ میری بیٹیاں پردہ نہیں توڑیں گی جو انہوں نے قبول کر لیں اور بالآخر شادیاں ہو گئیں لیکن آپ خود سوچئے جب گھر کے ماحول میں اس قدر آزادی ہو کہ کوئی لڑکی چادر تک نہ اوڑھتی ہو ایسے ماحول میں پردہ قائم رکھنا کتنا مشکل کام ہے؟ بہر حال اللہ میری بہنوں کو ہمت دے، اس ساری کہانی سنانے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے بہت سے جاننے والے ایسے ہیں جو بہت نیک لوگ ہیں اس قدر نیک کہ ان کے یہاں اتنا سخت پردہ ہے کہ عورتوں کو کوئی برقع میں بھی آزادانہ پھرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا اور شریعت کے تمام قوانین کی پابندی ہوتی ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ سب

کے سب بہت امیر لوگ ہیں اسلئے وہ لوگ جب اپنے بیٹوں کی شادیاں کرتے ہیں تو امیروں کی بیٹیوں سے ہی کرتے ہیں۔ برائے کرم مولانا صاحب مجھے بتائیے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ غریبوں کی بیٹیاں صرف اپنی غربت کے باعث ایسے گھرانوں میں بیاہی جانے پر مجبور ہوں جہاں وہ اللہ کے دین کی پابندی نہ کر پائیں جب کہ صاحب حیثیت لوگ صرف صاحب حیثیت لوگوں سے ہی رشتے جوڑتے چلے جائیں جب کہ ان کے سامنے ہی ایسے گھرانے موجود ہوں جہاں نیک شریف باپردہ لڑکیاں موجود ہوں، کیا ہمیں یہ حق نہیں کہ ہم بھی تمام عمر اللہ کے دین پر قائم رہ سکیں لیکن ہمیں ایک وقت پر مجبور ایسی جگہ جانا پڑتا ہے جہاں ہماری توقع سے بہت مختلف ماحول ملتا ہے، جہاں کوشش کے باوجود دین پر قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آخر اس میں کس کا قصور ہے؟ ہم کس سے انصاف مانگیں؟

جواب :- آپ کی یہ تحریر تمام دیندار لوگوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے۔ بہر حال اپنے معیار کے شریف اور دیندار گھرانوں کو تلاش کر کے رشتے کئے جائیں۔ بلکہ اگر کوئی غریب مگر شریف اور دیندار رشتہ مل جائے تو اس کو بڑے پیٹ والے لوگوں پر ترجیح دی جائے۔ اس نوعیت کے مسائل تقریباً تمام والدین کو پیش آتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس زمانے میں دینداری کی یہ قیمت بہت معمولی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ایسے تمام والدین کی خصوصی مدد فرمائیں۔ آمین

غیبت اور حقیقت واقعہ

سوال : — عرض ہے کہ غیبت کے بارے میں مسئلہ بتا دیجئے مثلاً

ایک مولانا نے مسئلہ بیان کیا کہ ایک عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی جس کا قد چھوٹا تھا۔ اس کے جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حضور ﷺ اس عورت کا قد چھوٹا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! یہ بات غیبت ہوئی۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ حضور ﷺ یہ بات اس میں تھی وہی میں نے کہی۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہی تو غیبت ہے۔ اگر اس میں یہ بات نہ ہوتی تو یہ بہتان ہو جاتا۔

مثلاً میں نے ایک صاحب سے پیسے لینے ہیں اگر وہ پیسے نہیں دے رہا ہے، میں نے اس کے بھائی سے کہا کہ آپ اس کو کہئے کہ وہ پیسے دے تو کیا یہ بھی غیبت ہوئی۔ دوسرا مسئلہ میرا بھانجا مسقط گیا ہوا تھا، واپسی پر میرے گھر میں نہیں ٹھہرا سیدھا لاہور چلا گیا، میں نے اپنی بہن سے اس کی شکایت کی۔ کیا یہ بھی غیبت ہوئی؟

جواب : ----- یہ غیبت نہیں، واللہ اعلم۔

”السلام علیکم پاکستان“ کہنا

سوال : ————— آج کل ایک مقامی ریڈیو چینل ہے، نشریات مغربی تہذیب اور کلچر کی تقلید کرتے ہوئے ۲۴ گھنٹے مسلسل شروع کی گئی ہیں۔ مخلوط ٹیلیفون کالز کے ذریعے نہ صرف فحاشی کو فروغ دیا جا رہا ہے بلکہ دوسری طرف مال کا اسراف بھی کیا جاتا ہے۔

پوری پوری رات عورتیں، مرد کمپیئر سے فون پر اپنے دل کا راز

و نیاز بیان کرتی ہیں اور جو ابنا مرد کپیٹر اظہار اشعار اور گانوں کے ذریعے کرتا ہے۔ اس پروگرام میں ہر فون کرنے والا پہلے ”السلام علیکم پاکستان“ کہتا ہے جواب میں بھی اسے ”السلام علیکم پاکستان“ کہا جاتا ہے، یعنی جنت کا کلام ”السلام علیکم“ کی بھی بے ادبی کی جاتی ہے اور بعض ٹی وی پروگرام میں پنجابی تہذیب کو اجاگر کرتے ہوئے دیہات کا ماحول پیش کیا جاتا ہے جس میں آنے والے مہمان کو میزبان کہتا ہے ”سملیاں، سملیاں۔“

مندرجہ بالا گزارشات کے بعد میرے ذہن میں چند سوالات پیدا

ہوتے ہیں :

۱۔ کیا ”السلام علیکم“ کے ساتھ اور کوئی لفظ ملا کر کہنا یعنی السلام علیکم پاکستان کہنا جائز ہے؟

۲۔ کیا عورتیں ٹیلیفون پر غیر محرم سے بے تکلف ہو کر باتیں کر سکتی

ہیں؟

۳۔ بسم اللہ کے بجائے جو لوگ (نعوذ باللہ) ”سملیاں کہتے ہیں“ اس

کا کیا مطلب ہے اور جو لوگ قرآن کی آیتوں کو توڑ مروڑ کر اس طرح پڑھتے ہیں ان کے بارے میں قرآن و حدیث کا کیا فیصلہ ہے؟

جواب : جو لوگ پاکستان میں فحاشی اور عریانی پھیلاتے ہیں،

مرنے کے بعد عذاب قبر میں مبتلا ہوں گے اور ان کے ساتھ ان کے حکمران بھی پکڑے جائیں گے، اس لئے کہ یہ ملک فحاشی کا اڈا بنانے کے لئے نہیں بنایا گیا تھا، بلکہ یہاں قرآن و سنت کی حکمرانی جاری کرنے کے لئے بنایا گیا

تھا۔

۱: ”_____ السلام علیکم“ مسلمانوں کا شعار ہے لیکن اس کا اس طرح استعمال اس شعار کی بے حرمتی ہے۔

۲: ----- عورتوں کا نامحرم مردوں سے بے تکلف گفتگو کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آواز کو بھی پردہ بنایا ہے اور قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ”فلاتخضعن بالقول“ یعنی بات کرتے وقت تمہاری زبان میں لوچ نہیں آنا چاہئے۔ اس لئے یہ مرد اور عورتیں گنگار ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہئے اور اپنے رویئے سے باز آجانا چاہئے ورنہ مرنے کے بعد ان کو اتنا سخت عذاب ہوگا کہ دیکھنے والوں کو بھی ترس آئے گا۔

۳: ----- یہ ”مسملیاں“ مہمل لفظ ہے اور یہ پنجابی تہذیب نہیں بلکہ ایسا کرنے والوں کا قلبی روگ ہے۔

بد امنی اور فسادات.... عذاب الہی کی ایک شکل

س: ----- آج کے اس پر مصائب دور میں جب کہ ہم مسلمانوں کے ایمان غالباً تیسرے درجے سے گزر رہے ہیں اور فرقہ واریت اور لسانی بندشوں کا شکار ہیں اس دور میں قتل و غارت، ڈکیتیاں، بد امنی، بد کاری غرضیکہ تمام سماجی برائیاں (سوشل لیول) بگھٹا ڈالے ہوئے ہیں، اگر ہم اللہ تعالیٰ پر مکمل ایمان رکھتے ہیں ان کے کہنے پر (قرآن و حدیث پر) عمل کرتے ہیں تو بلاشبہ بہت سے مسائل کا حل ملتا ہے، لیکن آزمائشیں بہت ہیں اور صحیح ہیں، گو کہ ہر مسلمان مومن نہیں ہوتا اس لئے آزمائش پر پورا نہیں اترتا۔ میرا مدعا یہ ہے کہ انسان جو ایک

دوسرے کا خون بہا دیتا ہے چاہے وہ اپنی حفاظت میں یا دوسرے کی دشمنی میں یہ کہاں تک درست ہے؟ مطلب یہ کہ کوئی شخص اپنے جان و مال کی حفاظت میں اگر دوسرے مسلمانوں کا خون بہا دیتا ہے یا اپنی زن (عورت) چاہے ماں بہن یا بیوی ہو اس کی خاطر خون بہا دیتا ہے۔ اگرچہ ہمیں ایسا لگتا ہے کہ وہ حق پر ہے، لیکن اللہ پر ایمان مکمل ہونے کے بعد اللہ ہمارے جان و مال کی حفاظت کرتا ہے تو ہم کسی صورت میں ہتھیار اٹھا سکتے ہیں اور اپنے مسلمان بھائی کا خون بہا سکتے ہیں؟ کیونکہ عدل و انصاف اس معاشرے میں تقریباً ختم ہو چکا ہے۔

ج : ----- جس بد امنی اور فساد کا آپ نے ذکر کیا ہے یہ عذاب الہی ہے جو ہماری شامت اعمال کی وجہ سے ہم پر مسلط ہوا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی توبہ کریں، تمام ظاہری و باطنی گناہوں کو چھوڑنے کا عہد کریں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام اجتماعی و انفرادی گناہوں اور بد عملیوں کی معافی مانگیں۔ کسی بے گناہ مسلمان کو قتل کرنا کفر و شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے جس کی سزا قرآن کریم نے جہنم بتائی ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، ہر وہ شخص جس کے دل میں ایمان کا کوئی ذرہ موجود ہو اور جو آخرت کی جزا و سزا کا قائل ہو اس کو اس سے سو بار توبہ کرنی چاہئے کہ اس کے ہاتھ کسی مسلمان کے خون سے رنگین ہوں۔ جو مسلمان ان ہنگاموں میں بے گناہ مارا گیا کہ اس کا کسی کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا وہ شہید ہے اور جو گروہ ایک دوسرے کو قتل کرنے کے درپے تھے ان میں قاتل اور مقتول دونوں جہنم کا ایندھن ہیں۔ اگر کسی مسلمان پر ناحق حملہ کیا اور اس نے اپنا دفاع کرتے ہوئے حملہ آور کو مار دیا تو وہ گناہ سے بری ہے اور حملہ آور جو قتل ہوا وہ سیدھا جہنم میں گیا۔ اسی طرح اگر کسی کے

بیوی بچوں پر حملہ کیا اور اس شخص کے ہاتھ سے حملہ آور مارا گیا یہ بھی گناہ سے بری ہے اور حملہ آور سیدھا جہنم میں پہنچا۔

خیالات فاسدہ اور نظربد کا علاج

س : — مجھ میں ایک مرض یہ ہے کہ جب کسی کو گناہ میں مشغول دیکھتا ہوں تو اس میں دل کو نکیر ہوتی ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے۔ اسکی اور گناہ کی حقارت بھی ہوتی ہے لیکن جب خود سے گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے تو نہ خوف نہ حقارت نہ نفرت نہ انکار نہ حیا کچھ بھی نہیں ہوتا ہاں مخلوق کا خوف ہوتا ہے کہ کسی کو پتہ نہ لگ جائے ذلت ہوگی اس کے باوجود گناہ سے اجتناب نہیں ہوتا۔

ج : — گناہ اور گناہ گار سے کبیدگی تو علامت ایمان ہے تاہم یہ احتمال کہ یہ شخص مجھ سے حالاً و مآلاً اچھا ہو بس اس کا استحضار کافی ہے اس سے زیادہ کا انسان کلفت نہیں ہے۔

س : — خیالات فاسدہ، گندے غلیظ وساوس، نظربد جیسے جرائم کا ارتکاب ہوتا رہتا ہے۔ کبھی کبھی فوراً ندامت پیشانی ہوتی ہے اور کبھی ندامت پاس سے بھی نہیں گزرتی، ڈاڑھی منڈوانے سے، راگ ناچ گانا اس طرح کے ہر گندے فعل سے نفرت ہے، اس کے مرتکبین سے نفرت ہے لیکن مجھے بے لذت گناہوں کی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے۔

ج : — خیالات فاسدہ، وساوس وغیرہ جن کو آپ مرض سمجھ رہے ہیں یہ مرض نہیں بلکہ غیر اختیاری امور ہیں جن پر مواخذہ نہیں بلکہ مجاہدہ ہے، آپ کسی فارغ وقت میں ”مراقبہ دعائیہ“ کیا کریں۔ با وضو قبلہ رخ بیٹھ کر آنکھیں

اور زبان بند کر کے اپنی حالت اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دیں اور دل میں اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ یا اللہ! میری حالت تو آپ کے سامنے ہے آپ قادر مطلق ہیں میری حالت اچھی کر دیجئے اور مجھے آخرت میں روانہ کیجئے۔

س : ----- آج کل زیبائش عریانی عام ہے جب کبھی ضروریات کے لئے نکلتا ہوں تو غیر محرم پر نظربند کے جرم کا ارتکاب ہو جاتا ہے نظربند سے بچنا میرے جیسے کیلئے تو بہت ہی مشکل ہے۔

ج : ----- فوراً نظر ہٹالی جائے، خیالات کا ہجوم غیر اختیاری ہو تو مضر نہیں بلکہ ہجوم خیالات کے باوجود بالقصد دوبارہ نہ دیکھنا مجاہدہ ہے اور انشاء اللہ اس پر اجر ملے گا اسی کے ساتھ استغفار کر لیا جائے، انشاء اللہ غلط خیالات کے اثرات قلب سے دھل جائیں گے۔

والدہ کی قبر معلوم نہ ہو تو دعائے مغفرت کیسے کروں؟

سوال :- میری والدہ مرحومہ کراچی میں دفن ہیں، میں اکثر ان کی مغفرت کی دعائیں کرتا رہتا ہوں، اب یہ میری بد نصیبی ہے کہ میں کبھی ان کی قبر پر نہیں گیا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ قبر پر جانا ضروری ہے یا نہیں اور قبر پر نہ جانے سے گھر ہی پر دعائیں کرنا بیکار تو نہیں؟ دوسرے یہ کہ قبرستان اگر جاؤں بھی تو والدہ کی قبر کا پتہ نہیں، تو قبرستان میں جا کر والدہ کے لئے کہاں کھڑا ہو کر دعا کروں اور کیا کیا دعا کروں؟ کیا وہاں کچھ پڑھنا ہو گا یا ایسے ہی دعائے مغفرت کروں؟

جواب : ----- اگر آپ کو والدہ کی قبر کا پتہ ہی نہیں تو آپ کو جانے کا مشورہ کیسے دوں، البتہ آپ کو نشانی رکھنا چاہئے تھی یا اگر کوئی آدمی جاننے والا ہے

تو آپ اس سے پتہ کر لیجئے، قبر پر جانے سے میت کو اتنی خوشی ہوتی ہے کہ جتنا ماں کو اپنے بیٹے سے مل کر خوشی ہوتی ہے۔ بہر حال ان کو پڑھ کر بخشتے رہنا چاہئے یہ بھی بیکار نہیں ہے۔

وہم کا علاج کیا ہے؟

س۔ میں بی اے کی طالبہ ہوں، ہمارا گھر تھوڑا بہت مذہبی ہے، نماز تقریباً سب ہی لوگ پڑھتے ہیں لیکن جب سے میں نے نماز شروع کی ہے، آہستہ آہستہ آج ایسی ہو گئی ہوں کہ اگر کسی کاپاؤں لگ جائے تو دھونے بیٹھ جاتی ہوں، اگر جھاڑو کسی کپڑے کو لگ جائے تو فوراً دھوتی ہوں، اگر گیلیا پوچھا کرے میں لگتا ہے تو میں اس سے بچتی ہوں، چھینٹوں سے تو اس طرح بچتی ہوں جیسے انسان آگ سے بچتا ہے کہ اگر پانی زمین پر گرا اور میرے کپڑوں پر پھینٹیں آگئیں تو پانی بچے دھوتی ہوں کہ ہر وقت میرے پانچے گیلے رہتے ہیں کیونکہ ہمارا چھوٹا سا گھر ہے آخر کب تک کمرے میں رہا جاسکتا ہے، بس میری یہ ہی کیفیت ہے جس کی وجہ سے اب گھر والے مجھے نفسیاتی مریضہ، ذہنی مریضہ اور وہمن کے نام سے پکارتے ہیں جس پر مجھے دلی دکھ ہوتا ہے اور پھر میں یہ سوچتی ہوں کہ اب ایسا نہ کروں گی لیکن پھر ایسا نہیں کر پاتی۔ خیال آتا ہے کہ اگر کپڑے ہٹا کر ہو گئے تو نماز نہ ہوگی۔ گھر والے مجھے ہر وقت پانی میں گھسے رہنے سے منع کرتے ہیں جس کی وجہ سے مجھے اب ایگزیمیا بھی ہو گیا لیکن میں کہتی ہوں کہ میرے اوپر کسی قسم کی چھینٹ نہ آئے گھر والے کہتے ہیں کہ ہمارے گھر میں کوئی بچہ نہیں ہے کہ جس کے پیشاب وغیرہ کی چھینٹ سے تیرے کپڑے ہٹا کر ہو جائیں گے۔ کبھی

کبھی جب مجھے اس بات پر ڈانٹ پڑتی ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ نماز ہی چھوڑ دوں مگر میں ان چیزوں سے نجات پاسکوں لیکن دل نہیں مانتا اور نماز کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ آپ میرے سوال کا جلد از جلد جواب دے کر ذہنی اذیت سے نجات دلا سکتے ہیں۔

جواب : — بیٹی! ایک بات سمجھ لو، اگر پاکی ٹپاکی کا مسئلہ اتنا ہی مشکل ہوتا، جتنی مشکل کہ آپ نے اپنے اوپر ڈال رکھی ہے، تو دنیا کا کارخانہ ہی بند ہو جاتا۔ آپ کی طرح ہر شخص بس پانچپے دھونے ہی میں لگا رہتا۔ یہ تمہیں وہم کا مرض ہے اور اس کا علاج بہت آسان ہے۔ وہ یہ کہ جن چیزوں کی وجہ سے آپ کو ٹپاکی کی فکر لگی رہتی ہے ان کی ذرا بھی پرواہ نہ کرو اور جب تمہارا شیطان یوں کہے کہ یہ چھینٹے ٹپاک تھے، فلاں چیز ٹپاک تھی تو شیطان سے کہا کرو کہ تو غلط کہتا ہے کہ میں تیری بات نہیں مانوں گی۔ اگر ایک مہینہ تک آپ نے میرے کہنے پر عمل کر لیا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس وہم کے مرض سے ہمیشہ کیلئے نجات مل جائے گی۔

حقوق والدین یا اطاعت امیر؟

س : — میرا بڑا بیٹا بچپن سے ہی والد کے ساتھ مسجد جاتا رہا، مسجد ہی سے ایک دینی جماعت کے پروگرام سنتا رہا، ہم نے اسے ہمیشہ اچھے ماحول میں رہنے کی تعلیم دی۔ گانے ناچ اور دیگر فضولیات سے دور رکھا۔ اس لئے وہ دینی جماعت کے بچوں کے رسائل لاتا رہا ان کے ساتھ اچھے معلوماتی مقابلوں میں حصہ لیتا رہا۔ جب میٹرک کلاس میں گیا تو ہم نے کہا کہ اسکول کا کام پورا کیا کرو، تعلیم پر توجہ دو مگر وہ کہتا کہ ہمارے ناظم نے فلاں وقت بلایا ہے، فلاں کام ہے۔ باپ صبح

کے گئے رات کو آتے اس نے تعلیم پر توجہ کم دی، نتیجہ یہ نکلا کہ بہت خراب نمبر سے پاس ہوا، مجبوراً ٹیکنیکل تعلیم دلوائی وہاں نوکری بھی لگ گئی لیکن پروگراموں کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ زیادہ سمجھاتی تو کہتا کہ امیر کی اطاعت لازمی ہے، امیر کی اطاعت خدا کے رسول کی اطاعت ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نوکری جاتی رہی۔ تعلیم بھی ختم ہو گئی۔ گھر سے تعلق کا صرف اتنا حال ہے کہ بہن، بوڑھا باپ کام کرتے ہیں، میں سلائی کرتی ہوں وہ آتا ہے، ہوٹل کی طرح کھا کر چلا جاتا ہے۔ بہن بھائیوں پر حکم چلاتا ہے۔ اسے غرض نہیں کہ کوئی بیمار ہے تو کون ہسپتال لے جا رہا ہے، کس طرح خرچ چل رہا ہے۔ یہی دھن دماغ میں ہے کہ جماعت سے نکلنا کفر ہے۔ امیر کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔

اس کے ساتھی بہت تعریف کرتے ہیں کہ ہر کام میں آگے آگے رہتا ہے، ہر پروگرام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے لیکن حقیقت کوئی ہمارے دل سے پوچھے اس بگڑے ہوئے ماحول میں بچیوں سے سودے منگوانے پڑتے ہیں، خود بازار سے سلمان اٹھا کر لانا پڑتا ہے۔ ایک بچہ ہے وہ زیادہ تر کام کرتا ہے، پڑھنے کے ساتھ ساتھ کام کر کے ہمارے حوالے کر دیتا ہے۔ خدا کے فضل سے نماز روزے کا پابند ہے۔ یہ آتے ہی اس پر حکم چلاتا ہے اگر کسی کام کو کہا جائے تو کہتا ہے اس سے کراؤ۔

چھوٹی بچیوں نے، ماں باپ نے رورو کر دعائیں مانگیں تو ایک عارضی نوکری ملی ہے اس میں بھی یہی حال ہے ۱۰ دن پروگراموں کی نظیر ہیں اب کسی کا استقبال ہے، اب کسی جگہ مظاہرہ ہے، کہیں کیلئے فنڈ اکٹھا کرنا ہے، کسی کو کتابیں دینی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ صرف ایک بچے کا حال نہیں اس میں بی اے، ایم اے اور دیگر تعلیم یافتہ بچے بھی شامل ہیں جو ذہنی مریض بن چکے ہیں والدین اور امیر کی اطاعت کے درمیان ان کے ذہن الجھ کر رہ گئے ہیں کبھی کبھی ان پر ترس بھی آتا ہے اور غصہ بھی۔

مولانا صاحب آپ بتائیے کہ ہم جیسے سفید پوش لوگ جن کی جمع پونجی ایک مکان ہوتی ہے کیا وہ وراثت میں اس طرح کی اولاد کو حق دار بنا سکتے ہیں۔ کیا شریعت میں ایسا کوئی قانون ہے کہ ہم اپنی زندگی میں ان کو مکان کی ملکیت سے عاق کر سکیں۔ کیونکہ جب ہماری زندگی میں ان کا رویہ ایسا ہے تو بعد میں تو چھوٹے بہن بھائیوں کا حق مار کر اپنی من مانی کر سکتے ہیں۔

کیا اسلام میں ایسا کوئی تصور موجود ہے کہ معاش کی جدوجہد نہ کرے، والدین اور عزیز واقارب کے حقوق پورے نہ کرے، صرف امیر کی اطاعت کرے۔؟ اگر ایسا ہے تو ہم ضرور صبر کریں گے۔ اگر ایسے بچے وراثت کے حق دار ہیں تو ہم خدا کے رسولؐ کی نافرمانی ہرگز نہ کریں گے۔

جواب : — نوجوانوں کے مزاج میں جوش عمل ہوتا ہے، تجربہ محدود، ذہن نا پختہ، طبیعت میں شاخ تازہ کی طرح پلک، ان کو کسی اچھے یا برے کام میں لگادینا بڑا آسان ہوتا ہے اور جب ان کے ذہن میں کسی تحریک کی اچھائی بیٹھ جاتی ہے یا بٹھادی جاتی ہے تو وہ اس میں نتائج و عواقب سے بے نیاز ہو کر منہمک ہو جاتے ہیں، اس کے خلاف نہ وہ والدین کی پرواہ کرتے ہیں، نہ کسی کی نصیحت پر کان دھرتے ہیں، اس لئے عام طور سے تمام تحریکوں کا نتیجہ شور شرابے کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ بہت سے نوجوان ان تحریکی سرگرمیوں کی وجہ سے تعلیم سے

محروم رہ جاتے ہیں، بہت سے روزگار سے جاتے رہتے ہیں، بہت سے والدین سے باغی ہو کر اپنے عزیز واقارب اور والدین کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں، حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جو لڑکی بھی جنون اور دیوانگی کا ایک شعبہ ہے۔ جب تک یہ نوجوان تحریکاتی جماعتوں کے سرگرم کارکن رہتے ہیں اس وقت تک ان پر دیوانگی کا دورہ رہتا ہے اور جب جنون شباب کا دور ختم ہوتا ہے اور عمر میں پختگی آتی ہے تب انہیں پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ ایسے نوجوان دور شباب ختم ہونے کے بعد ہمیشہ احساس محرومی کا شکار رہتے ہیں۔ ماں باپ کی بددعائیں ہمیشہ کیلئے ان کے گلے کا ہار بن جاتی ہیں۔ اس طرح ان کی دنیا بھی تباہ ہو جاتی ہے اور آخرت بھی برباد ہو جاتی ہے۔ میں سیاسی قائدین سے التجا کرتا ہوں کہ وہ بھولے بھالے نا تجربہ کار نوجوانوں کو تحریکات کے الاؤ کا ایندھن نہ بنائیں اور ان نوجوانوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ والدین سے بغاوت کا راستہ اختیار کر کے کسی کا برا نہیں کرتے بلکہ خود اپنا مستقبل تاریک کرتے ہیں، ان کی دیوانہ وار تحریکی مصروفیت سے نہ ان کو کچھ ملتا ہے نہ ان کے والدین اور نہ معاشرہ کو۔ آج وطن عزیز میں جیسی بد امنی اور شرفساد ہے یہ انہی تحریکات کا ثمرہ تلخ ہے۔ ہمارے جن نوجوانوں کو ”کسم خیر امتہ“ کا تاج سر پر رکھ کر نوع انسانی کی بھلائی، امن و آشتی اور اسلامی اخوت و محبت کے مبلغ ہونا چاہئے تھا وہ ان تحریکات کے نتیجہ میں گروہی عصبیت، نفرت و عداوت اور قتل و غارت کے علم بردار بنے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں اور اپنے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہمارے نوجوانوں کو دینِ قیم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔

آپ نے جو پوچھا ہے کہ کیا ان صاحبزادے کو عاق کر دیں؟ میرا مشورہ یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہ کریں کیونکہ اولاد کو جائیداد سے محروم کرنا شرعاً جائز نہیں۔

علاوہ ازیں کسی شخص کو اس سے بڑھ کر کیا سزا دی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے والدین کا نافرمان ہو۔ (اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس سزا سے محفوظ رکھیں) پھر اولاد خواہ کیسی بھی ہو والدین کو اس کے لئے خیر ہی مانگنی چاہئے۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے صاحبزادے کو عقل و ایمان نصیب فرمائیں، اللہ تعالیٰ نے والدین کی شکل میں جو نعمت ان کو عطا فرمائی ہے اس کی قدر کرنے کی توفیق سے نوازیں۔

ہوائی جہاز کے عملہ کے لئے

سحری و افطاری کے احکام

ہوائی جہاز کے عملے کے لئے ماہ رمضان کے روزوں سے متعلق چند سوالات ہیں جن کی وضاحت مطلوب ہے، جس طرح ایک مضبوط عمارت کے لئے مضبوط بنیاد ضروری ہے اسی طرح ایمان کے لئے صحیح عقائد اور ان پر عمل ضروری ہے۔ اس ضمن میں علماء راسخ ہی صحیح نمائندگی کر سکتے ہیں، آپ سے گزارش ہے کہ ان سوالات کے تفصیلی جوابات شریعت اور حنفی علم فقہ کی روشنی میں عنایت فرما کر مشکور کریں۔

سوال : ہوائی جہاز کے عملے کی مختلف قسم کی ڈیوٹی ہوتی ہے، ایک قسم کی ڈیوٹی کی نوعیت اس طرح کی ہے کہ وہ گھر پر ہی (Stand by Duty) رہتا ہے اور اسی صورت میں ڈیوٹی پر چلا جاتا ہے جب کہ دوسرا عملہ جو ڈیوٹی پر جا رہا تھا (OPERATING GEW) عین وقت پر بیمار ہو جائے یا اور کسی وجہ سے اپنی ڈیوٹی پر جانے سے قاصر ہے، ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اور زیادہ تر اس قسم کی ڈیوٹی والا (STAND BY DUTY) گھر ہی پر رہتا ہے اس شکل میں اگر عملہ

روزہ رکھنا چاہے تو وہ دیر سے دیر کب تک روزہ کی نیت کر سکتا ہے؟

جواب : — رمضان کے روزے کی نیت نصف النہار شرعی سے پہلے کر لی جائے تو روزہ صحیح ہے، ورنہ صحیح نہیں۔ ابتداء صبح صادق سے غروب تک کا وقت، اگر برابر دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تو اس کا عین وسط یعنی درمیانی حصہ ”نصف النہار شرعی“ کہلاتا ہے اور یہ زوال سے قریباً پون گھنٹہ پہلے شروع ہوتا ہے۔ اگر روزہ رکھنا ہو تو روزہ کی نیت اس سے پہلے کر لینا ضروری ہے۔ اگر عین نصف النہار شرعی کے وقت نیت کی یا اس کے بعد نیت کی تو روزہ نہیں ہوگا۔

سوال : — نیت کرنے کے بعد اگر فلائیٹ پر جانا پڑے اور عملہ نے روزہ توڑ دیا تو اس کا کیا کفارہ ادا کرنا ہوگا؟

جواب : — کفارہ صرف اس صورت میں لازم آتا ہے جب کہ روزہ کی نیت رات میں یعنی صبح صادق سے پہلے کی ہو، اگر صبح صادق کے بعد اور نصف النہار شرعی سے پہلے روزے کی نیت کی تھی اور پھر روزہ توڑ دیا تو کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

(در مختار۔ ثانی)

سوال : — دو قسم کی فلائیٹ ہوتی ہیں ایک چھوٹی فلائیٹ ہوتی ہے مثلاً کراچی سے لاہور یا اسلام آباد وغیرہ، اور واپسی کراچی۔ صبح جا کر دوپہر تک واپسی یا دوپہر جا کر رات میں واپسی اور دوسری فلائیٹ لمبے دوران کی ہوتی ہے جو ملک سے باہر جاتی ہے، اس صورت میں عملہ کو روزہ رکھنا مستحب ہے یا نہ رکھنا؟ زیادہ تر عملہ چھوٹی فلائیٹ پر روزہ رکھنا چاہتا ہے۔

جواب : ----- سفر کے دوران روزہ رکھنے سے اگر کوئی مشقت نہ ہو تو مسافر کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر اپنی ذات کو یا اپنے رفقا کو مشقت لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔

سوال : ----- ہوائی جہاز کا عملہ دو قسم کے مسافروں میں آتا ہے، دونوں قسم کا عملہ ڈیوٹی پر شمار ہوتا ہے۔ ایک قسم کا وہ عملہ ہے جس پر جہاز یا مسافروں کی ذمہ داری نہیں ہوتی وہ سفر اس لئے کر رہا ہے کہ اسے آگے راستے یا دو تہائی راستے پر اتر کر ایک دو دن کے آرام کے بعد پھر جہاز آگے کی منزل کی طرف لے جاتا ہے۔ دوسری قسم کا عملہ وہ ہوتا ہے جس پر جہاز اور مسافروں کی ساری ذمہ داری ہوتی ہے۔ ان دو قسم کے عملہ پر روزے کے کیا احکام ہیں؟

جواب : ----- جس عملہ پر جہاز اور اس کے مسافروں کی ذمہ داری ہے اگر ان کو یہ اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے کی صورت میں ان سے اپنی ذمہ داری کے نبھانے میں خلل آئے گا تو ان کو روزہ نہیں رکھنا چاہئے، بلکہ دوسرے وقت قضا رکھنی چاہئے خصوصاً اگر روزہ کی وجہ سے جہاز اور اس کے مسافروں کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو تو ان کے لئے روزہ رکھنا ممنوع ہوگا۔ مثلاً جہاز کے کپتان نے روزہ رکھا ہو اور اس کی وجہ سے جہاز کو کنٹرول کرنا مشکل ہو جائے۔

سوال : ----- سفر دو قسم کے ہوتے ہیں ایک سفر مغرب سے مشرق کی طرف، جس میں دن بہت چھوٹا ہے جب کہ دوسرے سفر میں جو مشرق سے مغرب کی طرف ہے اس میں دن بہت لمبا ہو جاتا ہے، سورج تقریباً جہاز کے ساتھ ساتھ رہتا ہے اور روزہ بیس بائیس گھنٹے کا ہو جاتا ہے اس صورت میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ روزہ گھنٹوں کے حساب سے کھول لیتے ہیں، مثلاً پاکستان کے

حساب سے روزہ رکھا تھا اور پاکستان میں جب روزہ کھلا اسی حساب سے انہوں نے بھی روزہ کھول لیا۔ اس صورت میں بعض مرتبہ سورج بالکل اوپر ہوتا ہے اور جس مقام سے جہاز گزر رہا ہوتا ہے وہاں ظہر کا وقت ہی ہوتا ہے کیا اس طرح سے روزہ کھول لینا صحیح ہے؟

جواب : ----- گھنٹوں کے حساب سے روزہ کھولنے کی جو صورت آپ نے لکھی ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ افطار کے وقت روزہ دار جہاں موجود ہو وہاں کا غروب معتبر ہے، جو لوگ پاکستان سے روزہ رکھ کر چلیں ان کو پاکستان کے غروب کے مطابق روزہ کھولنے کی اجازت نہیں، جن لوگوں نے ایسا کیا ہے ان کے وہ روزے ٹوٹ گئے اور ان کے ذمہ ان کی قضا لازم ہے۔

سوال : ----- اوپر کے استواء (HIGHER LATITUDES) میں جہاں سورج ۲۲/۲۰ گھنٹے تک رہتا ہے یا اور اوپر جانے سے چھ ماہ تک سورج غروب نہیں ہوتا اور اگلے چھ ماہ جہاں اندھیرا رہتا ہے وہاں کے لئے کیا احکامات ہیں؟ نماز اور روزے کے بارے میں؟ اکثر لوگ ان جگہوں پر بدینہ منورہ یا مکہ معظمہ کے اوقات کا اعتبار کرتے ہوئے نماز اور روزہ اختیار کرتے ہیں کیا اس طرح کرنا درست ہے؟

جواب : ----- بدینہ منورہ یا مکہ معظمہ کے اوقات کا اعتبار کرنا تو بالکل غلط ہے۔ جن مقامات پر طلوع و غروب تو ہوتا ہے لیکن دن بہت لمبا اور رات بہت چھوٹی ہوتی ہے ان کو اپنے ملک کے صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنا لازم ہے۔ البتہ ان میں جو لوگ ضعف کی وجہ سے اتنے طویل روزے کو برداشت نہیں کر سکتے وہ معتدل موسم میں قضا رکھ سکتے ہیں۔ ان

علاقوں میں نماز کے اوقات بھی معمول کے مطابق ہوں گے۔ اور جن علاقوں میں طلوع وغروب ہی نہیں ہوتا۔ وہاں دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ وہ چوبیس گھنٹے میں گھڑی کے حساب سے نماز کے اوقات کا تعین کر لیا کریں اور اسی کے مطابق روزوں میں سحر اور افطار کا تعین کر لیا کریں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہاں سے قریب تر شہر جس میں طلوع وغروب معمول کے مطابق ہوتا ہے، اس کے اوقات نماز اور اوقات سحر و افطار پر عمل کیا کریں۔

سوال : ----- بعض حضرات درمیانی استواء (MID LETITUDES) میں بھی اپنی نمازیں اور روزہ مدینہ منورہ کی نمازوں اور روزہ کے اوقات کے ساتھ ادا کرتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟

جواب : ————— اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ہر شہر کے لئے اس کے طلوع وغروب کا اعتبار ہے۔ نماز کے اوقات میں بھی اور روزہ کے لئے بھی۔ مدینہ منورہ کے اوقات پر نماز روزہ کرنا بالکل غلط ہے اور یہ نمازیں اور روزے ادا نہیں ہوئے۔

سوال : ----- کراچی سے لاہور اسلام آباد جاتے ہوئے گو کہ لاہور اسلام آباد میں سورج غروب ہو چکا ہوتا ہے اور روزہ کھولا جا رہا ہوتا ہے، مگر جہاز میں اونچائی کی وجہ سے سورج نظر آتا رہتا ہے۔ اس صورت میں روزہ زمین کے وقت کے مطابق کھولا جائے یا کہ سورج جب تک جہاز سے غروب ہوتا ہوا نہ دیکھا جائے تب تک ملتوی کیا جائے۔

جواب : ————— پرواز کے دوران جہاز سے طلوع وغروب کے نظر آنے کا

اعتبار ہے۔ پس اگر زمین پر سورج غروب ہو چکا ہو مگر حجاز کے افق سے غروب نہ ہوا ہو تو جہاز والوں کو روزہ کھولنے یا مغرب کی نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی، بلکہ جب حجاز کے افق سے غروب ہوگا تب اجازت ہوگی۔

سوال : — دوسری صورت میں جب عین روزہ کھلتے ہی اگر سفر شروع ہو تو جہاز کے کچھ اونچائی پر جانے کے بعد پھر سے سورج نظر آنے لگتا ہے اور مسافروں میں بے چینی پیدا ہو جاتی ہے کہ روزہ گڑبڑ ہو گیا یا مکروہ ہو گیا۔ اس کے متعلق کیا احکام ہیں؟

جواب : — اگر زمین پر روزہ کھل جانے کے بعد پرواز شروع ہوئی اور بلندی پر جا کر سورج نظر آنے لگا تو روزہ مکمل ہو گیا۔ روزہ مکمل ہونے کے بعد سورج نظر آنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص تیس روزے پورے کر کے اور عید کی نماز پڑھ کر پاکستان آیا تو دیکھا کہ یہاں رمضان ختم نہیں ہوا، اس کے ذمہ یہاں آکر روزہ رکھنا فرض نہیں ہوگا۔

سوال : — اگر عملہ نے سفر کے دوران یہ محسوس کیا کہ روزہ رکھنے سے ڈیوٹی میں خلل پڑ رہا ہے اور روزہ توڑ دیا تو اس کا کیا کفارہ ادا کرنا ہوگا؟

جواب : — اگر روزہ سے صحت متاثر ہو رہی ہو اور ڈیوٹی میں خلل آنے اور جہاز کے یا مسافروں کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو روزہ توڑ دیا جائے، اس کی صرف قضا لازم ہوگی۔ کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

تبلیغی جماعت پر اعتراضات کی حقیقت

سوال : — امید ہے کہ آنجناب بعافیت ہوں گے اور شب و روز

دین کی عالی محنت میں ساعی و کوشاں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اس پر تاحیات ثابت قدم رہنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ (آمین)

یہ بات بلا مبالغہ کہتا ہے کہ آپ کی تصنیف و تحریر سے بندہ کے دل میں آنجناب کا جتنا احترام سمایا ہوا ہے شاید اتنا قدر و احترام اپنے والد کا بھی میرے دل میں نہیں ہوگا۔ میرا تعلق چونکہ تبلیغی جماعت کے ساتھ ہے اور تبلیغی جماعت کے بارے میں آپ کی آراء کئی دفعہ نظروں سے گزری ہے، جس میں آپ نے تبلیغی جماعت کی تائید بہت عقیدت مندی اور زبردست ولولے کے ساتھ کی تھی۔ چونکہ یہ کام ہمارا ایک مقصدی فریضہ ہے اگرچہ ہمیں اس کام کو شرح صدر کے ساتھ کرنا چاہئے محض تقلیدی طریقہ پر نہیں۔ لیکن پھر بھی علماء حضرات کی تائید اس پر فتن دور میں بہت ضروری ہے اور بار بار ضروری ہے۔

اس سلسلے میں آپ سے استدعا یہ ہے کہ آج کل ایک جماعت پھرتی ہے، جن کی اچھی خاصی داڑھی بھی ہوتی ہے۔ یہ جماعت مختلف شہروں میں آکر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے نماز و روزہ اور اس قسم کے اچھے اعمال کی آواز لگاتے ہیں مثلاً جھوٹ نہ بولو، چوری نہ کرو وغیرہ وغیرہ اور ساتھ ہی رسالے بھی تقسیم کرتے ہیں، جس کا نام ”ضرب حق“ رکھا ہے اور مصنف کا نام عتیق الرحمن گیلانی لکھا ہے۔ اس دفعہ یہ جماعت ہمارے شہر ضلع پشین کوئٹہ میں آئی تھی، اور ساتھ ہی بہت سے رسالے بھی لائے تھے جلدی جلدی کچھ آوازیں لگا کر رسالے تقسیم کر کے فوراً شہر سے نکل گئے۔

ان رسالوں میں عجیب قسم کی خرافات اور بکواس لکھی ہوئی تھی۔ رسالے کے اکثر صفحات پر بڑی بڑی سرخیاں قائم کر کے تبلیغی جماعت پر

الزام لگائے تھے۔ ایک صفحے پر جس کی نقل آپ کے پاس بھیج رہا ہوں آپ کی کتاب ”عصر حاضر“ کا سارا لے کر لکھا تھا کہ مفتی محمد یوسف لدھیانوی نے اس جماعت کو عالمگیر فتنہ قرار دیا ہے۔ اب تبلیغی جماعت کے اپنے اکابرین نے اس جماعت کو فتنہ قرار دینا شروع کر دیا۔

گزارش یہ ہے کہ آپ کے بارے میں میرا سینہ بالکل صاف ہے لیکن امت کے سادہ لوح انسانوں کا اس فتنے میں پھنسنے کا شدید خطرہ ہے۔ اس لئے اخبار کے ذریعے اس جماعت کا دجل آشکارا کریں اور ایک بار پھر تبلیغی جماعت کو اپنے زریں خیالات سے نوازنے کی زحمت فرما کر باطل فرقوں کی حوصلہ شکنی کریں تاکہ ہمارے علاقے کے بلکہ پورے پاکستان کے سادہ لوح باشندے اس فتنے سے بچ جائیں۔

جواب جلد از جلد پوری تفصیل کے ساتھ مطلوب ہے۔

جواب : ----- مکرم و محترم! زید مجتہد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ نے عتیق الرحمان گیلانی نام کے کسی شخص کا ذکر کیا ہے کہ اس نے تبلیغی جماعت کے خلاف پمفلٹ لکھے ہیں، اور ان میں کہا گیا ہے کہ اکابرین نے اس جماعت کو فتنہ قرار دیا ہے، اور یہ کہ اس کے معتقدین تبلیغی جماعت کو بدنام کرنے کے لئے مستقل مہم چلا رہے ہیں، اور بہت سے سادہ لوح لوگ ان سے متاثر ہو رہے ہیں، اس سلسلہ میں چند امور لکھتا ہوں، بہت غور سے ان کو پڑھیں :

۱ : ----- تبلیغ والوں کا جس مسجد میں گشت یا بیان ہوتا ہے، اس سے پہلے ان الفاظ میں اس کا اعلان کیا جاتا ہے :

”حضرات! ہماری اور سارے انسانوں کی کامیابی اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پورا کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں پر چلنے میں ہے، اس کے لئے ایک محنت کی ضرورت ہے، اس محنت کے سلسلہ میں نماز کے بعد بات ہوگی، آپ سب حضرات تشریف رکھیں، انشاء اللہ بڑا نفع ہوگا۔“

یہ ہے دعوت و تبلیغ کی وہ ”محنت“ جو تبلیغی جماعت کا موضوع ہے اور جس کا اعلان ہر مسجد میں ہوتا ہے۔

۲ : — اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا یہ وہ پاک مقصد ہے جس کے لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، اور ان حضرات نے بغیر کسی اجر کے محض رضائے الہی کے لئے دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دیا، اس راستے میں ان کے سامنے مصائب و مشکلات کے پہاڑ آئے، انہیں ایذائیں دی گئیں، ان کی تحقیر کی گئی، انہیں ستایا گیا، ان کو گالیاں دی گئیں، انہیں دھمکایا اور ڈرایا گیا، لیکن ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی، بلکہ تمام تر مصائب و مشکلات کو ان حضرات نے محض رضائے الہی کے لئے برداشت کیا، اور اس کے لئے جان و مال اور عزت و آبرو کی کسی قربانی سے دریغ نہیں فرمایا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے جو حالات قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں بیان فرمائے گئے ہیں ان میں جہاں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حضرات ایمان و یقین، صبر و استقامت اور بلند ہمتی کے کتنے بلند مقام پر فائز تھے، وہاں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ

دعوت الی اللہ کا مقصد کس قدر عظیم الشان اور عالی مقصد ہے کہ اس مقصد کے لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے فوق العادت قربانیاں پیش کیں۔

۳ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو نبوت و رسالت کے منصب رفیع پر فائز نہیں کیا جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے طفیل میں دعوت الی اللہ کا یہ کام، جس کے لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو کھڑا کیا گیا تھا، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے سپرد کر دیا گیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

”وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ
وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔“ (آل عمران، ۱۰۳)

ترجمہ : ”اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔“

(ترجمہ حضرت تھانوی)

نیز ارشاد ہے :

”کنتم خیر امة اخرجت للناس
 تاملون بالمعروف وntenهون عن المنکر
 وتومنون باللہ الایقہ“
 (آل عمران ۱۱۰)

ترجمہ: ”تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے
 لئے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور
 بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔“

(ترجمہ حضرت عطاءوی)

ان آیات شریفہ میں دعوت الی اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
 کا کام امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کے سپرد
 کر کے اسے ”خیر امت“ کا لقب دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس
 امت کا ”خیر امت“ ہونا اسی مبارک کام کی وجہ سے ہے۔

۴۔ ان آیات شریفہ میں دعوت الی اللہ کا جو فریضہ امت کے
 سپرد کیا گیا ہے الحمد للہ کہ یہ امت اس فریضہ سے کبھی غافل نہیں ہوئی، بلکہ
 حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک اکابر
 امت اس مقدس خدمت کو بجالاتے رہے ہیں، اور دعوت الی اللہ کے
 خاص خاص شعبوں کے لئے افراد اور جماعتیں میدان میں آتی رہیں، کبھی
 قتال و جہاد کے ذریعہ، کبھی وعظ و ارشاد کی شکل میں، کبھی درس و تدریس کی
 صورت میں، کبھی تصنیف و تالیف کے ذریعہ، کبھی مدارس اور خانقاہوں کے
 قیام کے طریقہ سے، کبھی اصلاح و ارشاد کے راستہ سے، کبھی قضا و افتا کے

ذریعہ سے، کبھی باطل اور گمراہ فرقوں کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ کے ذریعہ، کبھی انفرادی طور پر، کبھی اجتماعی طور پر تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ۔ یہ سب کی سب دعوت الی اللہ ہی کی مختلف شکلیں اور اس کے مختلف شعبے ہیں۔ الحمد للہ! دعوت الی اللہ کا کوئی میدان ایسا نہیں جس کو امت نے خالی چھوڑ دیا ہو، اور کوئی شعبہ ایسا نہیں، جس میں کام کرنے والی ایک معتد بہ جماعت موجود نہ ہو۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

۵ : ----- تبلیغی جماعت جس طرز پر دعوت الی اللہ کا کام کر رہی ہے، یہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ سلف صالحین کے عین مطابق ہے۔

حضرت اقدس مولانا شاہ محمد الیاس کاندھلویؒ ثم دہلویؒ حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خادمؒ، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سارنپوری مہاجر مدنیؒ کے خلیفہ اور اپنے دور کے تمام اکابر امت کے معتمد اور منظور نظر تھے۔ ان کی زندگی کا ایک ایک عمل سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ وہ ایمان و اخلاص، زہد و توکل، ایثار و ہمدردی، صبر و استقامت، بلند نظری و بلند ہمتی اور اخلاق و اوصاف میں فائق الاقران تھے، حق تعالیٰ شانہ نے ان سے دین کی دعوت و تبلیغ کا تجدیدی کام لیا، اور اللہ تعالیٰ نے مادیت کے جدید طوفان کے مقابلے میں ان پر ”عمومی دعوت“ کا طریقہ منکشف فرمایا، اور انہوں نے ایک عام سے عام آدمی کو بھی دین کی دعوت کے کام میں لگادیا، حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے وقت سے آج تک ”تبلیغی جماعت“ اسی نہج اور اسی نقشہ پر دعوت الی

اللہ کا کام کر رہی ہے، اور الحمد للہ ثم الحمد للہ اس کے ذریعہ کروڑوں افراد کو حق تعالیٰ نے فسق و فجور کی تاریکیوں سے نکال کر شریعتِ مطہرہ کی پابندی اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق زندگی ڈھالنے کا جذبہ عطا فرمادیا ہے۔

۶ : تبلیغی جماعت کے اس مبارک کام پر لوگوں کی طرف سے ناواقفگی کی وجہ سے نکتہ چینیوں بھی ہوئیں، اس کے کام میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش بھی کی گئی، اور ان کو بدنام کرنے کے لئے افسانے بھی گھڑے گئے، لیکن یہ اللہ کا کام ہے، الحمد للہ! کہ ان تمام رکاوٹوں کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے مخلص اور مخلص بندوں سے اپنے دین کی دعوت کا کام لے رہا ہے، اور حق تعالیٰ شانہ کی رحمت و عنایت سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اس کام کے لئے کھڑا کرتے رہیں گے۔

۷ : اس ناکارہ کو ایک عرصہ تک تبلیغی اسفار میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اور اکابر تبلیغ کی نجی سے نجی محفلوں میں بیٹھنے اور ان کے حالات کا بغور مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے، حق تعالیٰ شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ناکارہ کو اس سلسلہ میں جس قدر قریب سے قریب ہونے کا موقع ملا ہے اسی قدر اس کام کی افادیت اور اس کام میں لگنے والے حضرات کی حقانیت اس ناکارہ پر کھلتی گئی ہے، اس لئے یہ ناکارہ کامل انشراح اور پوری بصیرت کے ساتھ یہ اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ تبلیغی جماعت کا کام نہایت مبارک ہے، امتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کی نشاۃ ثانیہ کا ذریعہ ہے، اور تمام مسلمان بھائیوں کا اس

بابرکت کام میں لگنا دنیا و آخرت کی سعادتوں کا ذریعہ ہے، حق تعالیٰ شانہ ہمیں اپنی رضا و محبت نصیب فرمائیں اور دنیا و آخرت میں اپنے مقبول بندوں کی رفاقت و معیت نصیب فرمائیں۔

کیا رویت ہلال میں فلکیات پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

س: — رویت ہلال کا مسئلہ کے عنوان سے مولانا محمد جعفر پھلواڑی کا ایک مضمون اپریل ۱۹۶۷ء کے ماہنامہ ”ثقافت لاہور“ میں چھپا تھا جسے اب ابتدائی تعارفی نوٹ کے اضافے کے ساتھ ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور نے کتابچے کی شکل میں ”رویت ہلال“ کے نام سے شائع کیا ہے، کیا آں جناب کے نزدیک پھلواڑی صاحب کی تحقیق لائق اعتماد ہے؟ نیز یہ کہ رویت ہلال کے بارہ میں ان کے موقف سے اتفاق کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ مدلل تحریر کریں۔“

ج: مولانا موصوف کے رویت ہلال کے موقف اور ان کے استدلال کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ کے سوال کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں :

موصوف کے اس کتابچے کا موضوع یہ بتانا ہے کہ ”رویت ہلال کا حکم فن فلکیات پر اعتماد کرنے سے بھی پورا ہو سکتا ہے۔“

موصوف نے انی بحث کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے کیا ہے :

”صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم

(رواہ السنۃ الاثرمدی)

علیکم فاقفروا لہ۔“

ترجمہ : ”چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر
اظہار (عید) کرو اگر مطلع غبار آلود ہو تو اس کا اندازہ
کرلو۔“

موصوف کا خیال ہے کہ ”یہاں اگر ”رویت“ کے معنی کی وضاحت
ہو جائے تو مسئلہ بڑی حد تک صاف ہو سکتا ہے۔“ چنانچہ وہ الموجد، اقرب
الموارد، البستان، القاموس، لسان العرب، مفتی الارب اور مفردات
راغب وغیرہ کے حوالوں سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ :

” اس میں شک نہیں کہ رویت کے حقیقی معنی چشم
سری سے دیکھنے کے ہیں، لیکن دوسرے مجازی معنوں میں
بھی اس کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔۔۔ اس لئے گویا
رویت کے معنی ہیں ”علم ہو جانا“۔ چنانچہ کوئی تمیں چالیس
جہ قرآن میں بھی لفظ رویت کا استعمال حقیقی معنی کے علاوہ
مجازی معنوں میں ہوا ہے۔“

اس لئے فاضل مولف کے نزدیک ”رویت ہلال کو چشم سر کے
ساتھ مخصوص کر دینے کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی“ بلکہ ان کی
رائے میں : ”فن فلییات پر اعتماد کر کے بھی وہ اپنا ایمان بالکل محفوظ کر سکتے
ہیں۔“

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر رویت ہلال کو چشم سر کے ساتھ
مخصوص کر دینا موصوف کے نزدیک ”غیر معقول“ ہے، تو کیا یہ طرز فکر
معقول کہلائے گا کہ ایک شخص لغت کی کتابیں کھول کر بیٹھ جائے اور یہ

دعویٰ کرے کہ چوں کہ فلاں لفظ حقیقی معنی کے علاوہ متعدد مجازی معنوں کے لئے بھی آتا ہے اس لئے عرفاً و شرعاً اس کے جو حقیقی معنی مراد لئے جاتے ہیں وہ صحیح نہیں بلکہ ”غیر معقول“ ہیں، مثلاً ”ضرب“ کا لفظ لغت کے مطابق کوئی پچاس ساٹھ معنوں کے لئے آتا ہے اس لئے ضرب زید عمرو کے جملے سے عرف عام میں جو معنی لئے جاتے ہیں (یعنی زید نے عمرو کو مارا) وہ غیر معقول اور غلط ہیں۔ کیا اسے صحت مندانہ استدلال کہا جاسکتا ہے؟ اور کیا یہ انداز فکر اور طرز استدلال اہم ترین مسائل کے صحیح حل کی طرف راہنمائی کر سکتا ہے؟ اس بات سے کس کو انکار ہے کہ رویت کا لفظ حقیقی معنی کے علاوہ، مختلف قرائن کی مدد سے، دوسرے مجازی معنوں میں بھی کبھی بولا جاتا ہے، مگر رویت ہلال کی احادیث میں یہ لفظ کس معنی میں استعمال ہوا ہے؟ اس کے لئے لغت کی کتابوں کا بوجھ لادنے کے بجائے سب سے پہلے تو اس سلسلہ کی تمام احادیث کو سامنے رکھ کر یہ دیکھنا چاہئے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کس سیاق میں کس معنی کے لئے استعمال فرمایا ہے، پھر یہ دیکھنا تھا کہ صحابہؓ، تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ نے اس سے کون سے معنی سمجھے ہیں، امت اسلامیہ نے قرناً بعد قرن اس سے کیا مراد لی ہے؟ اور عرف عام میں ”چاند دیکھنے“ کے کیا معنی سمجھے جاتے ہیں؟

لغت سے استفادہ کوئی شجرہ ممنوعہ نہیں، بلکہ بڑی اچھی بات ہے، کسی زبان کی مشکلات میں لغت ہی سے مدد لی جاتی ہے، اور کسی غیر معروف لفظ کی تحقیق کے لئے ہر شخص کو ہر وقت ڈکشنری کھولنے کا حق حاصل ہے، لیکن جو الفاظ ہر عام و خاص کی زبان پر ہوں، ان کے معنی عامی سے عامی

شخص بھی جانتا ہو، اور روز مرہ کی بول چال میں لوگ سینکڑوں بار انہیں استعمال کرتے ہوں، ان کے لئے ڈکشنری کے حوالے تلاش کرنا کوئی مفید کام نہیں بلکہ شاید اہل عقل کے نزدیک اسے بے معنی مشغلہ، بے سود کاوش اور ایک لغو حرکت کا نام دیا جائے، اور اگر کوئی دانشمند لغت بینی کے شوق میں لغت کے مجازی معنوں کی منطق سے شرعی اور عرفی معنوں کو غیر معقول قرار دینے لگے، تو ایسے شخص کے لئے بھی ڈکشنری میں جو لفظ وضع کیا گیا ہے، اس سے بھی سب واقف ہیں۔

تاہم اگر رویت جیسے معروف اور بدیہی لفظ کے لئے ”کتاب کھولنے“ کی ضرورت و افادیت کو تسلیم بھی کیا جائے تو اس کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے کہ رویت کا ”ست“ نکالتے وقت فاضل مولف نے لغت سے بھی صحیح استفادہ نہیں کیا، نہ ان قواعد کو ملحوظ رکھنا ضروری سمجھا، جو ائمہ لغت نے ”رویت“ کے مواقع استعمال کے سلسلہ میں ذکر کئے ہیں۔ کیونکہ موصوف نے لغت کی مدد سے رویت کا ست یہ نکالا ہے کہ : ”گویا رویت کے معنی ہیں علم ہو جانا“۔ گویا اہل لغت نے اس کے معانی اور ان کے مواقع استعمال کے تفصیلی بیان کی جو سروردی مولیٰ ہے وہ سب فضلہ ہے۔ خلاصہ، مغز اور ”ست“ صرف اتنا برآمد ہوا ہے کہ : رویت کے معنی ہیں علم ہو جانا، جب کہ وہ ان ہی کتابوں میں موجود ہیں جن کا حوالہ موصوف نے دیا ہے، مثلاً : لفظ ”رویت“ مفعول واحد کی طرف متعدی ہو تو وہاں یعنی رویت یعنی سر کی آنکھوں سے دیکھنا مراد ہوتا ہے، اور جب دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو تو اس کے معنی ہوں گے جانتا، معلوم کرنا۔ چنانچہ صحاح جوہری، تاج العروس اور لسان العرب میں ہے :

”الرؤية بالعین تتعدی الی مفعول واحد
ویمعنی العلم تتعدی الی مفعولین“۔

۱۰ (الصحاح للجوهری ص ۲۳۳۸ ج ۶) تاج العروس للزبیدی ص ۱۳۹

ج ۱۰، لسان العرب لابن منظور الاخری مادہ رای

ترجمہ: ”اگر رؤیت سے مراد رؤیت بالعین ہو تو رؤیت
ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے، اور اگر رؤیت
بمعنی علم کے ہو تو وہ دو مفعولوں کی طرف متعدی
ہوگا۔“

اسی طرح متنی الآرب میں ہے :

”رؤیت: ”ویدن پنچشم“ واین متعدی بیک مفعول است
ودانستن، واین متعدی بدو مفعول۔“

(متنی الآرب ص ۶۲۳) عبد الرحیم بن عبد اکرم صنی پوری

صراح میں ہے :

”رای رؤیة: ”ویدن پنچشم متعدی الی مفعول ودانستن متعدی
الی مفعولین۔“

(الصراح من الصحاح ص ۵۵۹)

یا یہ کہ رؤیت کا متعلق کوئی محسوس اور مشاہد چیز ہو تو وہاں حسی
رؤیت مراد ہوگی یعنی پنچشم سردیکھنا اور جب اس کا متعلق کوئی سامنے کی چیز
نہ ہو تو وہاں وہی، خیالی، یا عقلی رؤیت مراد ہوگی۔ چنانچہ امام راغب
اصفہانی کی ”المفردات فی غریب القرآن“ میں ہے :

”ذلک الضرب بحسب قوی النفس الاولى“

بالحاسة ومايجرى مجراها الخ”۔

عجیب اتفاق ہے کہ یہ عبارت فاضل مولف نے بھی نقل کی ہے، مگر شاید غلت میں اسے سمجھنے یا اس تفصیل کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

یا یہ کہ ”رای“ کے مادہ سے مصدر جب ”رؤیۃ“ آئے تو اس کے معنی ہوں گے آنکھوں سے دیکھنا، اور اگر ”رای“ آئے تو اس کے معنی ہوں گے ”دل سے دیکھنا اور جاننا“ اور اگر ”رویا“ آئے تو عموماً اس کے معنی ہوں گے خواب میں دیکھنا اور کبھی بیداری کی آنکھوں سے دیکھنا، چنانچہ اساس البلاغہ میں ہے :

”رای رایۃ یعنی رؤیۃ و رایۃ فی المنام
رویا، و رایۃ رای العین، فارایۃ اراء و رایۃ
الہلال، فترائینا الہلال... و من المجاز فلان
یرى الفلان رایاً۔“

(اساس البلاغہ ص ۳۱۱ لاجار اللہ ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری)

ترجمہ : ”رای“ رایۃ کے معنی دیکھنے کے آتے ہیں جیسے (و رئیۃ فی المنام رؤیا) میں نے اس کو نیند میں دیکھا، اور (رایۃ رای العین) میں نے اس کو آنکھ سے دیکھا، اور (فارایۃ اراء) میں نے اس کو دکھلایا دکھلانا (و رایۃ الہلال) اور میں نے چاند کو دیکھا (فترائینا الہلال) ہم نے دوسرے کو چاند دکھلایا۔ اور مجازاً کہا جاتا ہے کہ فلاں نے فلاں کو خواب میں دیکھا۔“

ممکن ہے مواقع استعمال کے یہ قواعد کلیہ نہ ہوں، لیکن عربیت کا صحیح ذوق شاہد ہے کہ یہ اکثر و بیشتر صحیح ہیں۔ یوں بھی فنی قواعد عموماً کلی نہیں، اکثری ہی ہوتے ہیں۔ ان تینوں قواعد کے مطابق ”رؤیت ہلال“ کے معنی سر کی آنکھوں سے چاند دیکھنا بنتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جن ائمہ لغت نے حقیقی اور مجازی معنوں کو الگ الگ ذکر کرنے کا التزام کیا ہے انہوں نے رؤیت ہلال کو حقیقی معنی یعنی چشم سر سے دیکھنے کے تحت درج کیا ہے۔

اسی طرح جن حضرات نے ”فروق الفاظ“ کا اہتمام کیا ہے انہوں نے تصریح کی ہے کہ رؤیت ہلال اور تبصر کے معنی ہیں چاند دیکھنے کے لئے افق ہلال کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا، جیسا کہ فقہ اللغہ میں ہے :

”فان نظر الى افق الهلال لليلة ليراه
 قيل مبصر۔“

(فقہ اللغۃ ص ۱۰۴ امام ابو منصور عبد الملک بن محمد اشعالبی)

ترجمہ : ”اگر کوئی آدمی رات کو افق ہلال کی طرف چاند دیکھنے کے لئے نظر اٹھا کر دیکھے تو بھی کہا جاتا ہے کہ وہ آدمی چاند کو دیکھنے والا ہے۔“

فاضل مولف کے علم و تفقہ کے پیش نظر ان کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ یہ تمام امور ان کی نظر سے نہیں گزرے ہوں گے، یا یہ کہ وہ ائمہ لغت کی صحیح مراد سمجھنے سے قاصر رہے ہوں گے، مگر حیرت ہے کہ موصوف ان تمام چیزوں سے آنکھیں بند کر کے اس ادھوری بات کو لے اڑے کہ ”رؤیت کا لفظ چونکہ متعدد معانی کے لئے آتا ہے“

لہذا رویت ہلال کو چشم سر سے مخصوص کر دینا غیر معقول ہے۔ جو حضرات کسی موضوع پر تحقیق کے لئے قلم اٹھائیں اور اتنے بڑے پندار کے ساتھ کہ ”ہم کسی رائے کو“ خواہ وہ اپنی ہو یا قدمائے اہل علم کی، حرف آخر نہیں سمجھتے۔“ ان کی طرف سے کم نظری، تساہل پسندی یا پھر مطلب پرستی کا یہ مظاہرہ بڑا ہی افسوس ناک اور تکلیف دہ ہے، جب ”رویت“ جیسے بدیہی اور ”چشم دید“ امور میں ہمارے نئے محققین کا یہ حال ہو تو عملی، نظری اور پیچیدہ مباحث میں ان سے دقیقہ رسی، بالغ نظری اور اصابت رائے کی توقع ہی عبث ہے۔

یہ تو خیر ائمہ لغت کی تصریحات تھیں، دل چسپ بات یہ ہے کہ خود ماہرین فلکیات، جن کے قول پر اعتماد کرنا فاضل مولف کے نزدیک حفاظت ایمان کا ذریعہ ہے، ان کے یہاں بھی رویت ہلال کے معنی سر کی آنکھوں سے دیکھنا ہی آتے ہیں، مزید یہ کہ ان کے یہاں اس رویت کے دو درجے ہیں (۱) : طبعی (۲) ارادی۔ اگر ہلال، افق سے اتنی بلندی پر ہو کہ وہ بلا تکلف دیکھا جاسکے اسے وہ ”طبعی رویت“ قرار دیتے ہیں، اور اگر اتنی بلندی پر نہ ہو بلکہ اتنا نیچے اور باریک ہو کہ اعلیٰ قسم کی دوربینوں کے بغیر اس کا دیکھنا ممکن نہ ہو اسے ”رویت ارادی“ کا نام دیا جاتا ہے، فلکیات کی تصریح کے مطابق قابل اعتبار طبعی رویت ہے نہ کہ ارادی۔ مجلہ اسلامیہ ہماول پور میں ہے :

”مراد از رویت طبعی است، نہ ارادی کہ بوسط

منظار ہائے جیدہ بیند، چہ دریں حالت ہلال قبل از آنکہ

بحد رویت رسیدہ باشد، دیدہ می شود (زیچ بہادر خانی باب

ہفتم در رویت ہلال ص ۵۵۶ طبع بنارس ۱۸۵۸ء بحوالہ سہ ماہی مجلہ، جامعہ اسلامیہ بہاول پور، اپریل ۱۹۶۸ء ص ۵۱، مقالہ مولانا عبدالرشید نعمانی، ”وماہنامہ ”معارف“ اعظم گڑھ مارچ ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۸۸

ترجمہ: ”رویت ہلال سے مراد طبعی رویت ہے نہ کہ رویت ارادی کہ اعلیٰ قسم کی دوربینوں کے ذریعہ ہلال کو دیکھا جائے کیونکہ اس حالت میں تو ہلال کو اس کے حد رویت پر پہنچنے سے قبل بھی دیکھا جاسکتا ہے۔“

اور حضرات فقہائے کرام جو شریعت اسلامیہ کے حقیقی ترجمان ہیں وہ بھی اسی پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ”صوموا لرؤیتہ“ و افطروا لرؤیتہ“ میں ”رویت“ حسی یعنی سر کی آنکھوں سے دیکھنا ہی مراد ہے، بدلیۃ المجتہد میں ہے :

”فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد اوجب الصوم والافطر للرؤیۃ والرویۃ انما یکون بالحس، ولو لا الاجماع علی الصیام بالخبر علی الرؤیۃ لبعد وجوب الصوم بالخبر بظاہر هذا الحدیث“

(بدلیۃ المجتہد لابن رشد ص ۲۸۵)

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم اور فطر کو رویت کے ساتھ خاص کیا ہے اور رویت صرف آنکھ ہی کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے اور اگر روزوں کیلئے

روایت پر حدیث پاک کے ساتھ- ساتھ امت کا اجماع ثابت نہ ہوتا تو صرف خبر کے ساتھ روزوں کو واجب کرنا (اس حدیث کے ظاہر کی بنیاد پر) مشکل ہوتا۔

اور اسی پر تمام مسلمانوں کا اجماع و اتفاق ہے، جیسا کہ احکام القرآن میں ہے :

”قال ابو بکر : قول رسول الله صلى الله عليه وسلم ”صوموا لرؤيته“ موافق لقوله تعالى يستلونك عن الاهله“ قل هي مواقيت للناس والحج“ واتفق المسلمون على ان معنى الآية والخبر في اعتبار روية الهلال في صوم رمضان“ فدل ذلك على ان رؤية الهلال هي شهود الشهر۔“

(احکام القرآن لابی بکر الجصاص ص ۲۰۱ ج ۱۔ طبع ۱۳۳۵ھ)
ترجمہ : ”ابو بکر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ : ”صوموا لرؤيته“ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول : ”يستلونك عن الاهله“ قل هي مواقيت للناس والحج“ کے موافق ہے، اور مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت اور حدیث رمضان کے روزوں سے رویت ہلال کے متعلق ہے، تو یہ قول بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رویت ہلال سے مراد مہینہ کا موجود ہونا ہے۔“

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ”رویت ہلال“ کے معنی سر کی

آنکھوں سے دیکھنا، قطعی طور پر متعین ہیں، اس میں کسی قسم کے شک و شبہ اور تردد کی گنجائش نہیں، یہی معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے آج تک لئے جاتے رہے ہیں، یہی ائمہ لغت کی تصریحات سے میل کھاتے ہیں، یہی فلکیات کی اصطلاح کے مطابق ہیں، یہی معنی مزاج شناسان نبوت۔ فقہائے کرام۔ نے حدیث سے سمجھے ہیں، اور چودہ صدیوں کی امت مسلمہ بھی اسی پر متفق ہے، مگر فاضل مولف کے کمال کی داد دیجئے کہ وہ ڈکٹری کی ناقص ادھوری اور ہلکی پھونک سے آسمان و زمین کی ہر چیز کو اڑا دینا چاہتے ہیں۔ کاش فاضل مولف سے یہ عرض کیا جاسکتا، طنز و تشنیع کے طور پر نہیں بلکہ محض دینی خیر خواہی، اسلامی اخوت اور اخلاص کے طور پر، کہ آپ نے اس مقام پر جو آسان راستہ اختیار کیا ہے، یعنی لغت کھول کر کسی لفظ کے متعدد معانی نکالو، اور پھر بلا تکلف اس لفظ کے شرعی معنی کو مشکوک کر ڈالو، یہ راستہ جتنا آسان اور مختصر ہے، اس سے کہیں زیادہ پر خطر بھی ہے کیونکہ یہ تحقیق و اجتہاد کی طرف نہیں بلکہ۔ گستاخی معاف۔ سیدھا تلبیس و الحاد کی طرف جاتا ہے، امت مسلمہ میں خدا نہ کردہ اسی کی چلت ہو جائے تو ملاحظہ کی جماعت اسی غلط منطق سے صوم و صلاۃ، حج، زکوٰۃ اور تمام اصطلاحات شرعیہ کو مسخ کر سکتی ہے، کہا جاسکتا ہے کہ صلوٰۃ کے معنی لغت میں یہ یہ آتے ہیں، لہذا ارکان مخصوصہ کے ساتھ اسے خاص کر دینا غیر معقول ہے، 'وقس علیٰ هذا' اس سے ظاہر ہے کہ اس کا انجام، دنیا میں امن و اصلاح نہیں، انتشار اور فساد ہوگا، اور آخرت میں دارالقرار نہیں، دارالبوار ہوگا، اللہ تعالیٰ اہلیت دیں تو اجتہاد ضرور کیجئے! مگر خدا کے لئے پہلے

اجتہاد اور الحاد کے درمیان اچھی طرح سے فرق کر لیجئے! تحقیق نئی ہو یا پرانی، اس کا حق مسلم! لیکن، خدا را، تحقیق اور تلیس دونوں کے حدود کو جدا جدا رکھئے۔

روایت ہلال کی احادیث حضرات عمر، علی، ابن مسعود، عائشہ، ابو ہریرہ، جابر بن عبد اللہ، براء بن عازب، حذیفہ بن الیمان، سمرہ بن جندب، ابو بکر، طلح بن علی، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، رافع بن خدیج وغیرہم صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی روایت سے حدیث کے مستند مجموعوں میں موجود ہیں، جنہیں اس مسئلہ میں کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے پیش نظر رکھنا ضروری تھا، مگر موصوف نے اپنے خاص مقصد کا پردہ رکھنے کے لئے ان سے استفادہ کی ضرورت نہیں سمجھی، صرف ایک روایت، جس کے آخری جملے میں قدرے اجمال پایا جاتا ہے، نقل کر کے فوراً لغت کا رخ کر لیا، آئیے چند روایات پر نظر ڈالیں، اور پھر دیکھیں کہ صحابہ و تابعین اور فقہائے مجتہدین نے ان سے کیا سمجھا ہے، صحیحین میں ہے :

ا:.....”عن عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الشهر تسع وعشرون ليلةً فلا تصوموا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدة ثلاثین۔“

(مشفق علیہ مشکوٰۃ ص ۱۷۴)

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مہینہ

انتیس کا بھی ہوتا ہے مگر تم ”چاند دیکھے بغیر“ روزہ نہ رکھا کرو، اور اگر (انتیس کا) چاند ابریا غبار کی وجہ سے نظر نہ آئے تو تمیں کی گنتی پوری کر لیا کرو۔“

۲:..... ”عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر رمضان، فقال: لا تصوموا حتی تروا الهلال، ولا تفطروا حتی تروہ، فان غم علیکم فاقدروا۔“

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۱۷۳)

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: (انتیس کا) چاند دیکھے بغیر نہ تو روزے رکھنا شروع کرو اور نہ چاند دیکھے بغیر روزے موقوف کرو، اور ابریا غبار کی وجہ سے نظر نہ آئے تو اس کے لئے (تمیں) دن کا) اندازہ رکھو۔“

۳:..... ”کتب عمر بن عبد العزیز (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) الی اهل البصرة بلغنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم... نحو حدیث ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم زاد وان احسن ما یقدرلہ، اذ رانا هلال شعبان لکنا

وَكُنَّا فَالصَّوْمُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَكُنَّا وَكُنَّا اِلَّا اَنْ يَرَوْا
الْهَلَالَ قَبْلَ ذَلِكَ

(ابوداؤد ص ۳۱۸)

ترجمہ: ”خليفة راشد عمر بن عبد العزيز رضی اللہ عنہ نے
اہل بصرہ کو خط لکھا کہ: ”ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی یہ حدیث پہنچی ہے۔ یہاں اسی مذکورہ بالا حدیث ابن عمرؓ
کا مضمون ذکر کیا اور اتنا اضافہ کیا: اور بہترین اندازہ یہ
ہے کہ ہم نے شعبان کا چاند فلاں دن دیکھا تھا،
اس لئے (تیس تاریخ کے حساب سے) روزہ انشاء
اللہ فلاں دن ہوگا“ ہاں چاند اس سے پہلے (انٹیس کو)
نظر آجائے تو دوسری بات ہے۔“

۴:..... حدثنا حسين بن الحارث
الجدلي... ان امير مكة خطب ثم قال عهد
الينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ننسك
للسرؤية فان لم نره وشهد شاهدا عدل نسكنا
بشهادتها... ان فيكم من هو اعلم بالله ورسوله
متى وشهد هذا من رسول الله صلى الله عليه
وسلم واوما بيده الى رجل قال الحسين فقلت
لشيخ الى جنبى من هذا الذى اوما اليه
الامير قال هذا عبد الله بن عمر وصدق كان

اعلم باللہ منہ' فقال : بذلک امرنا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم" -

(ابو داؤد ص ۳۱۹ ج ۱)

ترجمہ : "حسین بن حارث جدلی فرماتے ہیں 'امیر مکہ نے
خطبہ دیا' پھر فرمایا کہ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
ہمیں تاکیداً یہ حکم دیا تھا کہ ہم عید 'بقر عید' صرف چاند
دیکھ کر کیا کریں 'اور اگر (ابریا غبار کی وجہ سے) ہم نہ
دیکھ سکیں (یعنی رویت عامہ نہ ہو) مگر دو معتبر اور عادل
گواہ رویت کی شہادت دیں 'تو ہم ان کی شہادت پر عید
بقر عید کر لیا کریں 'اور ایک صاحب جو حاضر مجلس تھے
ان کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا آپ کی
اس مجلس میں یہ صاحب موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس
کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام مجھ سے زیادہ
جانتے ہیں 'اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم
الہی میں نے ذکر کیا یہ اس کے گواہ ہیں۔ حارث کہتے ہیں
میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک بزرگ سے دریافت
کیا کہ یہ کون صاحب ہیں 'جن کی طرف امیر صاحب نے
اشارہ کیا؟ کہا کہ : یہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنما ہیں۔
اور امیر صاحب نے صحیح کہا تھا 'یہ واقعی خدا اور رسول کے
احکام کے بڑے عالم تھے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنما نے
فرمایا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی کا حکم

فرمایا ہے۔“

۵:.... ”عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل اللہ الاہلۃ مواقیت للناس فصوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فعدوا ثلاثین یوما۔“

(رواہ الطبرانی کما فی تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۵ ج ۱ دار احیاء الکتب العربیہ مصر) واخرجه الحاكم فی المستدرک بمعناه وقال صحيح لاسناد واقره عليه الذهبي

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہلالوں (نئے چاند) کو لوگوں کے لئے اوقات کی عین کا ذریعہ بنایا ہے پس چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر مطلع ابرا آلود ہو تو تیس دن شمار کرلو۔“

۶:.... ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان حال بینکم وبين منظرہ سحاب او قترۃ فعدوا ثلاثین۔“

(احکام القرآن للجصاص ص ۲۰۱ ج ۱)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی افطار کرو“ اور اگر تمہارے اور اس کے نظر آنے کے درمیان ابر یا سیاہی حائل ہو جائے تو تمیں دن شمار کرلو۔“

۷:..... عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال صوموا رمضان لرؤیتہ فان حال بینکم غمامة او ضبابة فاکملوا عدة شهر شعبان ثلاثین ولا تستقبلوا رمضان بصوم یوم من شعبان۔“

(احکام القرآن ص ۲۰۲ ج ۱)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان کا روزہ چاند دیکھ کر رکھا کرو“ پھر اگر تمہارے درمیان ابر یا دھند حائل ہو جائے تو ماہ شعبان کی گنتی تمیں دن پوری کرلو۔ اور رمضان کے استقبال میں شعبان ہی کے دن کا روزہ شروع نہ کر دیا کرو۔“

۸:..... ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتصوموا قبل رمضان صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ“

فان حالت دونه، غیابة فاکملوا ثلاثین یوما۔“

(ترمذی ص ۹۷ ج ۱)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : رمضان سے پہلے ہی روزہ شروع نہ کر دیا کرو، بلکہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو، اور چاند دیکھ کر روزہ انظار کرو اور اگر اس کے دیکھنے میں ابر حائل ہو جائے، تو تیس دن پورے کر لیا کرو۔“

۹:..... ”عن ابی البختری قال خرجنا للعمرة فلما نزلنا ببطن نخلة ترأينا الهلال فقال بعض القوم هو ابن ثلاث وقال بعض القوم هو ابن ليلتين فلقينا ابن عباس (رضی اللہ عنہما) فقلنا انا رأينا الهلال فقال بعض القوم هو ابن ثلاث وقال بعض القوم هو ابن ليلتين فقال : ای ليلة رايتموه؟ قلنا : ليلة كنا وكنا فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مده للرؤية فهو لليلة رايتموه وفي رواية عنه قال اهللنا رمضان ونحن بذات عرق فارسلنا رجلاً الى ابن عباس يساله فقال ابن عباس (رضی اللہ عنہما) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله تعالى قد امده

لرؤيته فان اغمى عليكم فاكملوا العدة - ”

(مسلم ص ۳۳۸ ج ۱، مشکوٰۃ ص ۱۷۴، ۱۷۵)

ترجمہ :- ابو البختری کہتے ہیں ہم عمرہ کے لئے نکلے، بطن نخلہ پہنچے تو چاند دیکھنے لگے، کسی نے کہا تیسری رات کا ہے، اور کسی نے کہا دوسری رات کا ہے، بعد ازاں جب ہماری ملاقات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہوئی تو ہم نے ان سے عرض کیا کہ ہم نے چاند دیکھا تھا، مگر بعض کی رائے تھی کہ دوسری رات کا ہے، اور بعض کا خیال تھا کہ تیسری رات کا ہے، فرمایا تم نے کس رات دیکھا؟ ہم نے عرض کیا فلاں رات! فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہینے کی مدت کا مدار رویت پر رکھا ہے لہذا یہ چاند اسی رات کا تھا جس رات تم نے دیکھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہم نے رمضان کا چاند ذات عرق میں دیکھا (اور ہمارے درمیان اختلاف رائے ہوا کہ کس تاریخ کا ہے) چنانچہ ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی اس کی تحقیق کے لئے بھیجا، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا مدار رویت پر رکھا ہے پس اگر نظر نہ آ سکے تو گنتی پوری کر لی جائے۔“

۱۰:..... ”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته فان غم عليكم فاكملوا

العدة ثلاثين۔“

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۱۷۴)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، پھر اگر وہ ابرو غبار کی وجہ سے نظر نہ آئے تو تیس دن کی گنتی پوری کرو۔“

۱۱:.... ”عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا امة امیة لانکتب ولا نحسب، الشهر هکنا وهکنا وعقد الابهام فی الثالثة ثم قال الشهر هکنا وهکنا وهکنا یعنی تمام الثلاثین یعنی مرة تسعاً وعشرين ومرة ثلاثين۔“

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۱۷۴)

ترجمہ: ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم تو امت امیہ ہیں، ہمیں اوقات کی تعیین کے لئے حساب کتاب کی ضرورت نہیں بس (اتنا جان لو کہ) مہینہ کبھی اتنا، اتنا ہوتا ہے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا، اور تیسری مرتبہ ایک انگلی بند فرمائی (یعنی انتیس کا)۔ اور کبھی اتنا، اتنا، اتنا ہوتا ہے، یعنی پورے تیس کا۔ کبھی انتیس کا اور کبھی تیس کا۔“

۱۲:.... ”عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا رايتم
الهلال فصوموا واذا رايتموه فافطروا فان غم
عليكم فعدوا ثلاثين يوما۔“

(الفتح الربانی تبویب مسند احمد ص ۲۳۸ ج ۹)

ترجمہ : حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم چاند دیکھ لو
تو روزہ رکھو اور جب چاند دیکھ لو تب افطار کرو، پھر اگر
مطلع ابر آلود ہو تو تیس دن گن لو۔“

۱۳:.... ”عن قيس بن طلق عن ابيه رضى
الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
ان الله عز وجل جعل هذه الالهة مواقيت
للناس صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته فان غم
عليكم فاتموا العدة۔“

(الفتح الربانی ص ۲۳۷ ج ۹)

ترجمہ : طلق بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تبارک و تعالیٰ نے
ان ہلالوں (نئے چاند) کو لوگوں کے لئے تحمین اوقات کا
ذریعہ بنایا ہے، پس چاند دیکھ کر روزہ رکھا کرو، اور چاند دیکھ
کر افطار کیا کرو، پھر اگر مطلع ابر آلود ہونے کی بنا پر وہ نظر نہ
آئے تو (تیس دن کی) گنتی پوری کرو۔“

۴۳:..... "عن عائشة رضي الله عنها تقول كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتحفظ من شعبان ما لا يتحفظ من غيره ثم يصوم لرؤية رمضان فان غم عليه عد ثلاثين يوما ثم صام"۔

(ابو داؤد ص ۳۱۸)

ترجمہ: "ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جتنا شعبان کے چاند کا اہتمام فرماتے تھے اتنا کسی دوسرے ماہ کا نہیں فرماتے تھے، پھر چاند دیکھ کر رمضان کا روزہ رکھا کرتے تھے، لیکن مطلعِ غبارِ آلود ہونے (اور کہیں سے رویت کی اطلاع نہ ملنے) کی صورت میں (شعبان کے) تیس دن پورے کیا کرتے تھے۔"

۱۵:..... "عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تقدموا الشهر بیوم ولا یومین الا ان یوافق ذلک صوما کان یصومه احدکم۔ صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فعدوا ثلاثین ثم افطروا۔"

(رواد الترمذی وقال حدیث ابی ہریرۃ حسن صحیح والعمل بہ)

علیٰ ہذا عند اہل العلم ترمذی ص ۱۳ ج ۱)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مہینے کی آمد سے

ایک دو دن پہلے ہی روزہ شروع نہ کر دیا کرو، البتہ اس دن کا روزہ رکھنے کی کسی کو عادت ہو تو دوسری بات ہے، بلکہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، اور اگر مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے وہ نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کر کے پھر افطار کرو۔“

۱۶:.... ”عن حذيفة (رضی اللہ عنہ) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقدموا الشهر حتى تروا الهلال او تکملوا العدة، ثم صوموا حتى تروا الهلال او تکملوا العدة۔“

(ابو داؤد ص ۳۱۸)

ترجمہ: ”حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مہینے کی آمد سے پہلے ہی روزہ شروع نہ کر دیا کرو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لیا گنتی پوری نہ کرلو، پھر برابر روزے رکھتے رہو، جب تک کہ چاند نہ دیکھ لیا گنتی پوری نہ کرلو۔“

۱۷:.... ”عن ابن عباس (رضی اللہ عنہما) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : لا تقدموا الشهر بصيام يوم ولا يومين الا ان يكون شئني يصومه احدكم ولا تصوموا حتى تروه ثم صوموا حتى تروه فان حال دونہ

غمامة فاتموا العدة ثلاثين ثم افطروا والشهر
تسع وعشرون۔“

(ابو داؤد ص ۳۱۸)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان سے ایک دو دن پہلے ہی روزہ شروع نہ کر دیا کرو“ الا یہ کہ اس دن روزہ رکھنے کی کسی کی عادت ہو (مثلاً دوشنبہ یا پنجشنبہ کا دن ہو) بہر حال چاند دیکھے بغیر روزہ نہ رکھو، پھر چاند نظر آنے تک برابر روزے رکھتے رہو، اور اگر اس کے ورے بادل حائل ہوں تو تیس کی گنتی پوری کرلو، تب افطار کرو۔ ویسے مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے۔“

۱۸:..... ”عن عبد الرحمن بن زيد بن الخطاب يقول انا صحبتنا اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وتعلمنا منهم وانهم حدثونا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته فان اغمى عليكم فعدوا ثلاثين فان شهد فوا عدل فصوموا وافطروا وانسكوا۔“

(سنن دار قطنی ص ۱۶۸ ج ۲)

ترجمہ: ”حضرت عبد الرحمن بن زيد بن خطابؓ فرماتے ہیں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صحبت میں رہے ہیں، اور ان ہی سے علم

سیکھا ہے، انہوں نے ہمیں بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے : چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، اور اگر ابرو وغبار کی وجہ سے نظر نہ آئے تو تیس دن شمار کر لو لیکن اگر اس حالت میں دو معتبر اور عادل شخص رویت کی شہادت دیں، تب بھی روزہ، عید اور قربانی کرو۔“

ان تمام احادیث کا مضمون مشترک ہے، مگر ہر حدیث کسی نئے افادے پر مشتمل ہے، اس لئے سب کا سامنے رکھنا ضروری ہے، ان احادیث سے حسب ذیل امور اول نظر میں واضح طور پر مستفاد ہوتے ہیں:

۱ : ----- اسلامی احکام میں قمری مہینوں اور سالوں کا اعتبار ہوگا۔

۲ : ----- قمری مہینہ کبھی انتیس کا ہوتا ہے، کبھی تیس کا۔

۳ : ----- رویت ہلال میں سر کی آنکھوں سے چاند دیکھنے کا مفہوم قطعی طور پر متعین ہے، ان احادیث میں کسی دوسرے معنی کے احتمال کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ بدایۃ المجتہد لابن رشد القرطبی میں ہے :

”فان العلماء اجمعوا ان الشهر العربی

یکون تسعا وعشرين، ویکون ثلاثین، وعلی

ان الاعتبار فی تحديد شهر رمضان انما هو

الرؤية لقوله عليه الصلاة والسلام : ”صوموا

لرؤيته وافطروا لرؤيته“ وعنی بالروية لول

ظهور القمر بعد السؤال۔“

ترجمہ: ”علما کا اس پر اجماع ہے کہ عربی مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے اور تیس کا بھی اور اس پر بھی اجماع ہے کہ رمضان کے مہینہ کی تحدید صرف رؤیت سے ہوتی ہے اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے نہ چاند کو دیکھ کر تم روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی روزہ افطار کرو۔ اور (سائل کے) سوال پر رؤیت سے چاند کا اول ظہور ہی مراد ہے۔“

۴ : ----- قمری مہینوں کی تبدیلی کا مدار چاند نظر آنے یا تیس دن پورے ہونے پر ہے اگر انتیس کا چاند نظر آجائے تو نیا مہینہ شروع ہو جائے گا ورنہ سابقہ ماہ کے تیس دن شمار کرنا لازم ہوگا۔

احکام القرآن، ابو بکر جصاص رازی میں ہے :

”وقوله صلى الله عليه وسلم صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته فان غم عليكم فأكملوا العدة ثلاثين“ هو اصل في اعتبار الشهر ثلاثين، الا ان يرى قبل ذالك الهلال فان كان شهر غم علينا هلاله فعلينا ان نعله ثلاثين، هذا في سائر الشهور التي تتعلق بها الاحكام وانما يصير الى اقل من ثلاثين بروية الهلال۔“

ترجمہ :- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ
 ”چاند دیکھ کر روزہ رکھو“ اور چاند دیکھ کر افطار کرو“ اور اگر
 (بادلوں کی وجہ سے) چاند نظر نہ آئے تو تیس دن کی گنتی
 مکمل کیا کرو۔“ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مہینہ
 تیس دن کا ہوتا ہے، الا یہ کہ اس سے پہلے چاند نظر
 آجائے۔ اگر کوئی مہینہ ایسا ہے کہ اس میں بادلوں کی وجہ
 سے چاند نہ نظر آئے تو ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کو تیس کا
 شمار کریں، اور یہ اصول ان تمام مہینوں کے بارہ میں ہے
 جن کے ساتھ احکام متعلق ہوتے ہیں اور مہینہ کے تیس
 سے کم ہونے کا اعتبار صرف چاند دیکھنے پر ہوگا۔“

۵ : ————— اگر افاق پر ابر، غبار، سیاہی یا اور کوئی چیز مانع رؤیت نہ ہو تو
 انتہی کے چاند کا ثبوت ”رؤیت عامہ“ سے ہوگا، جب پورے علاقہ یا ملک
 کے لوگ چاند دیکھنے میں کوشاں ہوں، اور اس کے باوجود عام رؤیت نہ
 ہو سکے، تو علاقے اور ملک کے صرف دو چار افراد کے دعوے سے
 ”رؤیت“ کا ثبوت نہیں ہوگا۔ چنانچہ ان احادیث طیبہ میں انفرادی
 شہادت قبول کرنے کا حکم مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں دیا گیا ہے،
 اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں انفرادی شہادت کی بجائے اذا راہتم
 (جب تم دیکھ لو) فرما کر ”رؤیت عامہ“ پر ثبوت ہلال کا مدار رکھا گیا ہے،
 اور عقلاً بھی یہ بات بدیہی ہے کہ جب مطلع صاف ہو، سب لوگ سراپا
 اشتیاق بن کر افاق پر ٹٹکی باندھے ہوئے ہوں، اور کوئی چیز مانع رؤیت نہ

ہو، اس کے باوجود رویت عامہ نہ ہو سکے، تو ایسی صورت میں ایک دو افراد کا یہ دعویٰ کہ ”ہم نے چاند دیکھا ہے“ پوری قوم کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے، ظاہر ہے کہ پوری قوم کو اندھا یا ضعیف البصر قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، بلکہ اس کی بجائے اس انفرادی بیان ہی کو غلط ماننا ہوگا، بالخصوص جب کہ بلند و بالا چوٹیوں پر دو رہینوں کی مدد سے بھی چاند نظر نہ آئے تو ان لوگوں کی غلطی یا غلط بیانی اور بھی واضح ہو جائے گی۔

احکام القرآن، ابو بکر جصاص رازی میں ہے :

”قال ابو بکر انما اعتبر اصحابنا اذا لم یکن بالسماء علة شهادة الجمع الكثير الذين یقع العلم بخبرهم لان ذالك فرض قد عمت الحاجة الیه والناس مامورون بطلب الهلال فغیر جائز ان یطلبه الجمع الكثير ولا علة بالسماء مع توافی همهم وحرصهم على رؤيته ثم یراه النفر اليسیر منهم دون کافتهم علمنا انهم غالطون غیر مصیبین فاما ان یكونوا راوا خیالا فظنوه هلالا او تعملوا الکذب وجواز ذالك غیر ممتنع وهذا اصل صحیح تقضی العقول بصحته وعلیه مبنی امر الشریعة والخطاء فیه یعظم ضرره ویتوصل الملحون الی ادخال الشبهة على

الاغمار والحشو وعلى من لم يتيقن ما
ذكرنا من الاصل۔“

(احکام القرآن ص ۲۰۲ ج ۱ طبع ۱۳۳۵ھ)

ترجمہ : ”امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں جب آسمان پر کوئی
بادل وغیرہ نہ ہو تو ہلال رمضان کی رویت کے لئے ایک
ایسی کثیر جماعت کی شہادت ضروری ہے جس کی خبر سے یہ
یقین حاصل ہو جائے کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے اس لئے
کہ روزوں کی فرضیت کی وجہ سے چاند کا دیکھنا فرض ہے
اور تمام لوگوں کی ضرورت اس سے متعلق ہے اور لوگ
چاند دیکھنے کے لئے مامور ہیں، پس یہ ممکن نہیں کہ سب
لوگ اپنی بھرپور کوشش، ہمت اور رویت کی حرص کے
باوجود چاند نہ دیکھ سکیں، لیکن ان میں سے ایک قلیل
جماعت کو چاند نظر آجائے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ تھوڑی
سی جماعت غلطی پر ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس جماعت
قلیل نے کوئی خیالی چیز دیکھی ہو اور اس کو انہوں نے چاند
خیال کر لیا ہو، یا جان بوجھ کر جھوٹ بول رہے ہوں، اور یہ
اصول اپنی جگہ ایک صحیح اصول ہے جس کی صحت کا عقل
سلیم بھی تقاضا کرتی ہے، اور اس پر شریعت کا اصول وضع
ہوا ہے اور اس میں غلطی کرنا بہت بڑے نقصان کا سبب
ہو سکتا ہے۔ اور اس سے محمدینؐ اسلام میں شبہات اور قطع
برید پیدا کر سکتے ہیں۔“

۶ : ----- مطلع غبار آلود ہو تو جیسا کہ احادیث بالا میں تصریح ہے، ہلال عید کا ثبوت کم از کم دو معتبر عادل اور دیانت دار گواہوں کی چشم دید شہادت سے ہوگا (اور دو عینی شاہدوں کی گواہی پر دو معتبر اشخاص کی گواہی جسے ”شہادت علی الشہادت“ کہا جاتا ہے، اسی طرح قاضی کے فیصلہ پر دو عادلوں کی گواہی (شہادت علی قضاء القاضی) کا حکم بھی یہی ہے، کیونکہ یہ دونوں بھی ”حجت ملزمہ“ ہیں، کما صرح بہ القوم، صرف ایک شخص کی شہادت یا محض افواہی خبروں کا اعتبار نہ ہوگا۔ جو حضرات اختلاف مطالع کے قائل نہیں (اور ہمارے فاضل مولف ان ہی کے موید ہیں) ان کے نزدیک مندرجہ ذیل حدیث کا محمل بھی یہی ہے :

”عن کرب ان ام الفضل بنت الحارث بعثته الى معاوية بالشام قال : فقدمت الشام فقضيت حاجتها واستهل على هلال رمضان وانا بالشام فرأينا الهلال ليلة الجمعة ثم قدمت المدينة في آخر الشهر فسألني ابن عباس ثم ذكر الهلال فقال : متى رايتم الهلال؟ فقلت رايناه ليلة الجمعة فقال : انت رايت ليلة الجمعة؟ فقلت : راہ الناس وصاموا وصام معاوية فقال لکن رايناه ليلة السبت فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلاثين يوما او نراه فقلت : الا تكتفى

برویۃ معاویۃ وصیامہ؟ قال: لا، ہکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔“

(ابوداؤد ص ۳۱۹ ترمذی ص ۸۷ ج ۱)

ترجمہ: ”حضرت کرب فرماتے ہیں: ام الفضلؓ بنت حارث (والدہ ابن عباسؓ) نے انہیں حضرت معاویہؓ کے پاس شام میں بھیجا، میں شام میں گیا اور اپنے کام سے فارغ ہوا، تو رمضان کا چاند مجھے شام ہی میں ہوا چنانچہ ہم نے جمعہ کی رات کو چاند دیکھا، پھر رمضان مبارک کے آخر میں میں مدینہ طیبہ واپس آیا، حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے حال احوال دریافت کئے، پھر چاند کا ذکر آیا تو دریافت فرمایا: تم نے چاند کب دیکھا تھا؟ میں نے کہا ہم نے جمعہ کی رات کو دیکھا فرمایا: تو نے جمعہ کی رات کو خود دیکھا تھا؟ میں نے کہا لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا اور حضرت معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا، فرمایا لیکن ہم نے سنیچر کی رات کو دیکھا ہے، اس لئے ہم تو اپنے حساب سے تیس روزے پورے کریں گے، الا یہ کہ خود انتیس کا چاند دیکھ لیں، میں نے کہا کیا آپ حضرت معاویہؓ کی رویت اور روزہ رکھنے کے فیصلہ کو کافی نہیں سمجھتے؟ فرمایا، نہیں! (کیونکہ ہمیں وہاں کی رویت کا ثبوت دو ثقہ گواہوں کی شہادت سے نہیں ملا، صرف تمہاری ایک آدمی کی اطلاع ہمارے انظار کے لئے حجت نہیں) ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی

طرح حکم فرمایا ہے۔“

اور جن حضرات کے نزدیک مطالع کا اختلاف معتبر ہے، وہ اس کی توجیہ یہ کریں گے، کہ چونکہ ہر علاقہ کا مطلع الگ ہے اس لئے ایک مطلع کی رویت دوسرے علاقے والوں کے لئے کافی نہیں، خواہ اس کا ثبوت صحیح شہادت سے بھی ہو جائے۔

اور مطلع غبار آلود ہونے کی صورت میں ہلال رمضان کے لئے، دوسری احادیث کے مطابق صرف ایک مسلمان عادل یا مستور الحال کی خبر بھی کافی ہوگی، جیسا کہ ابو داؤد میں ہے :

۱:.....”عن ابن عباس (رضی اللہ عنہما)
قال: جاء اعرابی الى النبی صلی اللہ علیہ
وسلم فقال: انی رايت الهلال یعنی ہلال
رمضان، فقال: اتشهد ان لا اله الا الله
قال: نعم، قال: اتشهد ان محمدا رسول الله
قال نعم، قال یا بلال ان فی الناس ان
یصوموا غدا۔“

(رواہ ابو داؤد، الترمذی و التسانی وابن ماجہ والدارمی، مشکوٰۃ ص ۱۷۳)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا: میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے (عام رویت نہیں ہوئی تھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کیا تم اللہ کی توحید کے قائل ہو؟ اس نے کہا جی ہاں“

فرمایا : کیا تم میری رسالت کو مانتے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں، فرمایا : ہلال! لوگوں میں اعلان کرو کہ کل روزہ رکھیں۔“

۴:.... ”وعن ابن عمر (رضی اللہ عنہما) قال تراء الناس الهلال، فاخبرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی رايتہ، فصام وامر الناس بصيامہ“

(رواہ ابو داؤد والدارمی والروایتان فی المکتوۃ ص ۱۷۳)

ترجمہ : ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لوگ چاند دیکھ رہے تھے، (مگر ابر کی وجہ سے عام لوگوں کو نظر نہیں آیا) میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے دیکھ لیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری خبر پر خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔“

۷: — ان احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ ہدایات پر نظر ڈالئے تو واضح ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثبوت ہلال کے لئے ایک قطعی اصول اور ضابطہ مقرر فرمایا، یعنی انتیس کو مطلع صاف ہونے کی صورت میں رویت عامہ کا اعتبار ہوگا اور مطلع کے غبار آلود ہونے کی صورت میں شہادت کا اعتبار کیا جائے گا اور دونوں مفقود ہوں تو تیس دن پورے کئے جائیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنا عمل اسی ضابطے پر تھا، صحابہؓ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اسی

اصول کے پابند تھے۔ اور امت مسلمہ کو اسی قاعدے کی پابندی کا بار بار تاکید حکم فرمایا۔ اور الحمد للہ امت مسلمہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے بموجب اس کا خوب خوب التزام بھی کیا۔ لیکن کسی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادنیٰ سے ادنیٰ اور ہلکے سے ہلکا اشارہ اس طرف نہیں فرمایا کہ اس اصول کو چھوڑ کر امت کسی مرحلے میں کسی دوسرے طریقہ پر بھی اعتماد کر سکتی ہے، کسی حسابی فن سے بھی اس سلسلہ میں مدد لے سکتی ہے، یا روزہ و افطار کے اوقات متعین کرنے کے لئے کسی دوسرے اصول کی طرف بھی رجوع کر سکتی ہے۔ اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضع فرمودہ اصول رویت کو چھوڑ کر کسی فن پر اعتماد کرنے اور اس کے ماہرین کی طرف رجوع کرنے سے بھی منشاء نبوت پورا ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ فاضل مولف اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر تھوپنا چاہتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہمیں اس کا کوئی معمولی اشارہ تو ملنا چاہئے تھا؟ یا کم از کم صحابہؓ و تابعینؓ اور ائمہ ہدیٰ کی طرف سے اس اصول نبویؐ سے ہٹ کر کسی دوسری راہ کو اختیار کرنے کی گنجائش کا کہیں سراغ ملتا؟

دور حاضر کی کم سوادی اور ستم ظریفی کا ایک مظہر یہ بھی ہے، کہ جو چیز اپنے ذہن عالی میں آئے اسے کھینچ تان کر بڑوں کی طرف منسوب کرو، اور جو چیز بڑوں سے صراحتاً ثابت ہو، اس سے صاف مکر جاؤ، اور اگر اس طرح نہ بن آتی ہو تو اسے تاویل کے خراد پر چڑھاؤ۔ ”خاندانی منصوبہ بندی“ سے لے کر سوشل ازم تک جو بات کسی کے ذہن نے اچھی سمجھی

فٹ سے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر ڈالا۔ صحابہ کرامؓ کا حال یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات انہوں نے ایک دو بار نہیں، بیسیوں بار اپنے کانوں سے سنے ہوتے تھے، ان کی روایت میں بھی حد درجہ محتاط تھے، مگر ہمارے یہاں اپنے ذہنی وساوس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول رویت کو اپنانے اور اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہیں لا نکتب ولا نحسب (ہم حساب کتاب نہیں کیا کرتے) کہہ کر اوقات کی تعیین کے باب میں حسابی تخمینوں کی حوصلہ شکنی فرمائی، کہیں دونوں ہاتھوں کے اشارے سے الشہر ھکذا ھکذا ھکذا (مہینہ اتنا اتنا اور اتنا ہوتا ہے) کہہ کر ماہ و سال کے سلسلہ میں حساب پر بالکل بے اعتمادی کا اظہار فرمایا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس مضمون کو سمجھانے کے لئے کہ مہینہ کبھی ۲۹ کا ہوتا ہے کبھی ۳۰ کا، دونوں ہاتھوں کو چھ دفعہ اٹھانے اور ھکذا کا لفظ چھ دفعہ دہرانے کی بہ نسبت ۲۹، ۳۰ کا عدد مختصر بھی تھا اور واضح بھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب ان دو ہندسوں سے نا آشنا بھی نہیں تھے۔

چنانچہ صحیح مسلم کی شرح ”اکمال اکمال المعلم“ المعروف ”شرح ابی“ میں ہے :

”وفی احادیث الاشارة ھذہ

الارشاد الی تقریب الاشیاء بالتمثیل وھو

الذی قصده صلی اللہ علیہ وسلم ولم یصنع

ذالک لاجل ما وصفهم به من الامیة "لا
 يحسبون لا يكتبون" لانهم لا یجهلون
 الثلاثین والتسع وعشرین مع ان التعبير
 عنهما باللفظ اخف من الاشارة المکررة
 وانما وصفهم بذالک سدا لباب الاعتداد
 بحساب المنجمین الذی تعتمده العجم فی
 صومها، وفطرها وفصولها۔"

(ص ۲۲۳ ج ۲ طبع مصر ۱۳۳۷ھ)

ترجمہ :- اور جن احادیث میں اشارہ سے مہینہ کے تیس
 اور انتیس کے ہونے کی مقدار سمجھائی گئی ہے، اس میں یہ
 بتانا مقصود ہے کہ مثالوں کے ذریعہ سے بات کو سمجھنا آسان
 ہوتا ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے
 اشارہ سے یہ بات سمجھائی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 یہ (اشارہ سے سمجھانے کا طریقہ) اس لیے نہیں اپنایا کہ وہ
 لوگ وصف امت سے موصوف تھے اور حساب و کتاب کرنا
 نہیں جانتے تھے، کیونکہ وہ لوگ تیس اور انتیس کے لفظ
 سے جاہل نہیں تھے، حالانکہ بار بار کے اشارہ کی بجائے تیس
 اور انتیس کے لفظ سے تعبیر کرنا آسان تھا، لیکن اس کے
 باوجود آپ نے اشارہ سے بات سمجھائی اس لئے کہ منجم
 لوگوں کے حساب کی لوگوں میں عادت پڑ چکی تھی اور اسی پر
 عجمی لوگ اپنے روزہ اور افطار کرنے، اور سالوں کی گنتی کا

اعتماد کرتے تھے، اس سے ان کے حساب وغیرہ کا دورازہ بند کرنا مقصود تھا۔

اسی طرح کہیں فلا تصوموا حتی تروہ ولا تفطروا حتی تروہ (روزہ نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو، اور افطار نہ کرو جب تک چاند نہ دیکھ لو) فرما کر رویت کے بغیر کسی نوع کے حسابی تخمینہ پر اعتماد کرتے ہوئے روزہ و افطار کرنے سے امت کو صاف صاف منع فرمایا۔ اور کہیں چاند دیکھ کر ”دوسری تاریخ کا ہے“ نعرہ لگانے کو قرب قیامت کی علامت بتلا کر، حسابی طریقوں پر اعتماد سے نفرت دلائی، اور اسے ذہنی انحطاط اور دینی تنزل کا مظہر قرار دیا جیسا کہ کنز العمال میں ہے :

”عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ عن
النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اقتراب
الساعة ان یری الهلال قبلا فيقال لليلتين
وان تتخذ المساجد طرقا، وان يظهر موت
الفجاءة۔“

(رواہ الطبرانی فی الاوسط کنز العمال ص ۷۶ ج ۷)

ترجمہ: ”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ”من جملہ قرب قیامت کی علامات کے یہ ہے کہ چاند کو سامنے دیکھ کر کہا جائے گا، یہ تو دوسری رات کا ہے، اور مساجد کو گزر گاہ بنالیا جائے گا اور اچانک موتیں عام ہوں گی۔“

اور کہیں بلا استثنا اہل نجوم کی تصدیق کو ”کفر“ سے تعبیر فرمایا۔ مگر کسی موقع پر بھی یہ تصریح نہیں فرمائی کہ اہل نجوم کی تقویم پر اعتبار کرتے ہوئے بھی چاند کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ابو داؤد کی شرح ”المختل العذب المورود“ میں ہے :

”وحسبك في ابطال العمل

بالحساب والتنجيم قوله تعالى ”قل لا يعلم من في السموات والارض الغيب الا الله“ وقوله صلى الله عليه وعلى آله وسلم ”من اتى عرافا او كاهنا فصلقه بما يقول فقد كفر بما انزل على محمد صلى الله عليه وعلى آله وسلم“ (احمد والحاكم)۔

ومن احاديث المصابيح من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبة من السحر۔“
(ص ۳۷ ج ۱۰)

ترجمہ : ”تیرے لئے علم اعداد اور علم نجوم کے باطل ہونے کیلئے اللہ تعالیٰ کا یہی قول کافی ہے کہ : ”آپؐ فرمادیجئے آسمان اور زمین میں غیب سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔“ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ : ”جو آدمی علم نجوم جاننے والے یا کاہن کے پاس گیا اور جو کچھ اس نے کہا اور اس نے اس کی تصدیق کی، تو اس نے کفر کیا اس دین کا جو حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔

”اور مصابیح کی احادیث میں ہے کہ ”جس نے

علوم نجوم سے کچھ سیکھا، اس نے جادو کے ایک حصہ کو حاصل کیا۔“

ادھر قرآن حکیم نے شرعی اصول اوقات کو چھوڑ کر کسی خود ساختہ اصطلاح سے ماہ و سال کی اول بدل کو، جو جاہلیت اولیٰ کا شعار تھا ”زیادۃ فی الکفر“ اور زینہ گمراہی قرار دیا۔ (التوبہ آیت ۲)

ان تمام امور کو سامنے رکھ کر ہر شخص جس کی چشم انصاف بند نہ ہو گئی ہو، آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ ثبوت ہلال کے شرعی اصول اور نبوی ضابطہ کو چھوڑ کر صرف جنتری کے بھروسے پر روزہ افطار کرنا مزاج نبوت سے کہاں تک میل کھاتا ہے؟ منشا نبوت کو کہاں تک پورا کرتا ہے، اور فاضل مولف کے بقول اسے ”رؤیت کی ترقی یافتہ تعبیر“ کہنا اور اس بدعت کو حفاظت ایمان کا ذریعہ بتلا کر اس کی پرچار کرنا کہاں تک بجا ہے؟

علامہ ابن عربیؒ شرح ترمذی میں اصول رؤیت کو چھوڑنے اور حسابی طریقوں سے رؤیت کو ثابت کرنے کی مذمت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”اوہ یا ابن شریح، این مسالتک

الشریحیۃ واین ضوارمک السریحیۃ

تسلک هذا المضیق فی غیر الطريق

وتخرج الی الجہل عن العلم والتحقیق، ما

لمحمد والنجوم؟ وکانک لم تقرا قوله

”اما نحن امة امیة لانحسب ولا نکتب“

الشهر هكنا وهكنا وهكنا" - و اشار بيديه
 الكريمتين ثلاث اشارات وحنس بابها مه
 فى الثالثة فاذا كان يتبرا من الحساب
 الاقل بالعقد المصطلح عليه مبينا باليدين
 تنبيها على التبرى عن اكثر منه، فما ظنك
 بمن يدعى عليه بعد ذالك ان يحيل على
 حساب النيرين، وينزلهما على درجات فى
 افلاك غائبا ويقرنهما باجتماع
 واستقبال حتى يعلم بذالك استهلاله

(ص ۲۰۸ ج ۳)

ترجمہ :- "اے ابن شریح! کہاں ہے تیرا مسئلہ شرعیہ؟
 تو کشادہ راستہ چھوڑ کر ان تنگ راستوں پر جاتا ہے اور تو
 علم اور تحقیق سے نکل کر جمالت کی طرف جاتا ہے.....
 حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور نجوم کی آپس
 میں کیا نسبت ہے؟ گویا تو نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ
 ارشاد نہیں پڑھا کہ "ہم امی امت ہیں ہم حساب و کتاب کو
 نہیں جانتے مہینہ اتنے، اتنے، اتنے کا ہوتا ہے، اور آپ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک سے تین
 بار اشارہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار اپنے
 انگوٹھے کو بند کر لیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 اصطلاحی گنتی اور حساب کا مختصر طریقہ چھوڑ کر ہاتھوں کے

اشارہ سے یہ بات بیان فرمادی تو اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اس سے زیادہ کو چھوڑ دیا جائے۔

آپ کا کیا گمان ہے اس آدمی کے بارہ میں جو اس کے بعد بھی دعویٰ کرتا ہے کہ یہ چیز علم نجوم کے حوالہ کی جائے اور وہ ان دونوں کو آسمان کے پوشیدہ درجات پر لاتا ہے اور ان دونوں کو جوڑتا ہے اجتماع اور استقبال کے ساتھ تاکہ اس طریقہ سے چاند کو جان سکے۔“

ان احادیث میں صحابہ و تابعین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے طرز عمل کی وضاحت بھی موجود ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ ”اصول رویت“ پر سختی سے کاربند تھے، اور وہ بار بار خطبوں میں، خطوط میں اور نجی مجلسوں میں: ”عہد الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ہکنا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کہہ کر امت کو اسی اصول پر کاربند رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ پورا ذخیرہ حدیث و سیر، چھان جائے، مگر آپ کو کسی صحابی کے بارے میں یہ نہیں ملے گا کہ انہوں نے اس اصول رویت کو چھوڑ کر کسی حسابی تخمینے پر اعتماد کرنے کا فتویٰ دیا ہو، یہی وجہ ہے کہ باتفاق امت، شریعت اسلامیہ نے ثبوت ہلال کے باب میں اہل حساب و فلکیات کی رائے کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ ان کی تحقیق کو سرے سے کالعدم اور لغو قرار دیا ہے، مثلاً ماہرین فلکیات کی رائے ہو کہ فلاں تاریخ کو چاند ہوگا، لیکن رویت شرعیہ نہ ہو سکے تو باجماع امت اس رویت پر احکام ہلال جاری نہیں ہوں گے اور ماہرین فلکیات کی رائے لغو ہوگی۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری، ص ۹۸ ج ۲، عمدۃ القاری
 للعینی ص ۱۸۲ ج ۵، ص ۱۹۹ ج ۵۔ زرقلی علی الموطا ص ۱۵۴ ج ۲، رد المحتار
 لابن عابدین الشامی ص ۱۰۰ ج ۲، احکام القرآن للخصاص وغیرہ وغیرہ حضرات
 اکابر کا موقف بھی یہی ہے۔ یہاں سب کا نام دینا بھی ممکن نہیں، چہ جائیکہ
 ان کی تصریحات نقل کی جائیں، البتہ امام جصاص رازی کی تصریح تو سن ہی
 لیجئے، فرماتے ہیں:

”فالقائل باعتبار منازل القمر

وحساب المنجمين خارج عن حكم
 الشريعة وليس هذا القول مما يسوغ
 الاجتهاد فيه، لدلالته الكتاب ونص السنة
 واجماع الفقهاء بخلافه“

(ص ۲۰۲ ج ۱)

ترجمہ: ”منازل قمر اور فلکیات کے حساب پر اعتماد کرنا حکم
 شریعت سے خارج ہے، اور یہ ایسی چیز نہیں جس میں اجتہاد
 کی گنجائش ہو، کیونکہ کتاب اللہ، سنت نبویہ اور اجماع فقہاء
 کے دلائل اس کے خلاف ہیں۔“

رہا یہ سوال کہ شریعت نے احکامِ حلال کا مدار رؤیت پر کیوں رکھا،
 فلکیاتی تحقیقات پر کیوں نہیں رکھا، ہمارے نزدیک یہ سوال ہی بے محل
 ہے، بحیثیت مسلمان ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اچھی طرح یہ تحقیق کریں کہ
 فلاں باب میں شارع نے کیا حکم دیا ہے؟ یہ معلوم ہو جانے کے بعد ہمیں
 شارع سے یہ پوچھنے کا حق نہیں کہ یہ حکم آپ نے کیوں دیا ہے؟ کیونکہ

ہمارے مسلمان ہونے کا پہلا نتیجہ اس بات کا قطعی یقین ہے کہ شارع کی طرف سے جو حکم بھی دیا جاتا ہے، اس سے خود شارع کی کوئی غرض وابستہ نہیں، بلکہ وہ سراسر بندوں ہی کی مصلحت کے پیش نظر دیا گیا ہے، کبھی اس مصلحت کا اظہار مناسب ہوتا ہے، کبھی نہیں ہوتا، لیکن وہ مصلحت بہر حال اس حکم پر مرتب ہوگی، خواہ بندوں کو اس کا علم ہو یا نہ ہو، اس لئے وہ خود کسی مصلحت کا اظہار فرمادیں تو ان کی غایت عنایت ہے، ورنہ بندے کو یہ حق کب حاصل ہے؟ کہ وہ اس بات پر اصرار کرے کہ پہلے اس حکم کی مصلحت بتلائے تب مانوں گا (اور آپ جانتے ہیں کہ اگر کوئی مصلحت بتلانے کی ہو تب بھی اس ذہنیت کے شخص کو تو کبھی نہیں بتلائی جاسکتی)۔

بہر حال ہمیں یہ تحقیق کرنے کا حق ہے کہ شریعت نے ہلال کا مدار فلکیات پر رکھا ہے یا نہیں اور اسے کسی درجہ میں قابل اعتبار قرار دیا ہے، یا بالکل کلیہ ناقابل اعتماد، لیکن یہ سوال ہم نہیں کر سکتے کہ شریعت نے ہلال کا مدار رؤیت پر کیوں رکھا اور فلکیات وغیرہ پر کیوں نہیں رکھا؟ ہو سکتا ہے کہ اس میں شارع کے پیش نظر بندوں کی بہت سی مصلحتیں ہوں، اور وہ صرف رؤیت پر مرتب ہو سکتی ہوں اور فلکیات پر نہیں۔ مثلاً دوسری قوموں کے ماہ و سال کا مدار تقویمی حسابوں پر تھا، شارع نے اس امت کی انفرادیت کو محفوظ رکھنے کے لئے جس طرح اور بہت سی چیزوں میں ان کی مشابہت سے امت کو بچانا چاہا، اسی طرح ان کی تقویمی مشابہت سے بھی امت کو محفوظ رکھنا چاہا اس لئے ان کو ایک مستقل نظام تقویم دیا۔

علامہ ”ابن“ کی شرح مسلم میں ہے :

”سنا لباب الاعتداد بحساب
المنجمین الذی تعتمده العجم فی صومہا
وفطرہا وفصولہا“۔

(اکمال اکمال المعلم شرح مسلم طائی ص ۲۲۷)

ترجمہ: ”عجم کے لوگ اپنے روزہ اور افطار اور سالوں کی
گنتی میں منجم لوگوں کے حساب پر جو اعتماد کرتے تھے اور
عادت بنائے ہوئے تھے اس عادت کو ختم کرنے کے لئے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا۔“

یا ہو سکتا ہے، کہ چونکہ دوسرے حسابی طریقوں سے ماہ و سال کی
تعیین فطری اور تحقیقی نہیں تھی بلکہ اختراعی اور تقریبی تھی، چنانچہ انہیں
اس کی بیشی کو برابر کرنے کے لئے ”لیپ“ کی اصطلاح ایجاد کرنا پڑی، اس
کے برعکس اسلام دین فطرت تھا، اس نے چاہا کہ امت اسلامیہ کے ماہ
و سال کی تعیین کے لئے ”رؤیت“ اور مشاہدہ کا فطری طریقہ مقرر کیا
جائے، کیونکہ یہ اختراعی اور تقریبی طریقے اس کی فطرت سے میل نہیں
کھاتے تھے۔ یا ممکن ہے اس امر کی رعایت رکھی گئی ہو کہ چونکہ اسلام کے
پورے نظام کی بنیاد تکلف اور تعمق پر نہیں بلکہ سادگی اور سہولت پر رکھی
گئی ہے اس لئے ”اسلام کے نظام تقویم“ کو بھی مشاہدہ اور رؤیت جیسے
آسان اور سادہ اصول پر مبنی کیا گیا تاکہ اس نظام کے ”جزو و کل“ میں
مناسبت رہے، اور اس باب میں امت تکلف اور مشقت میں مبتلا نہ
ہو جائے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حکمت کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”اقول لما كان اوقات الصوم مضبوطا بالشهر القمري باعتبار رؤية الهلال وهو تارة ثلاثون يوما وتارة تسعة وعشرون وجب في صورة الاشتباه ان يرجع الى هذا الاصل وايضا مبنى الشرائع على الامور الظاهرة عند الاميين دون التعمق والحسابات النجومية بل الشريعة واردة باخمال ذكرها وهو قوله صلى الله عليه وسلم ”انا امة امية لانكتب ولا نحسب“

(حجة الله البالغة للشيخ المحدث الدهلوی ص ۵۱۵)

ترجمہ: ”میں کہتا ہوں کہ جب روزوں کے اوقات کا انضباط قمری مہینوں پر رویت ہلال کے اعتبار سے ہے اور یہ مہینہ کبھی تیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی انیس دن کا تو اشتباہ کی صورت میں اسی اصول کی طرف لوٹنا واجب ہے اور نیز امیین کے نزدیک شریعت کی بنیاد امور ظاہرہ پر ہوتی ہے نہ کہ گہرائی اور علم نجوم کے حساب پر بلکہ شریعت تو اس کے ذکر سے بھی اعراض کرنے کا حکم دیتی ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”ہم امی امت ہیں ہم حساب و کتاب کو نہیں جانتے۔“

یا ممکن ہے کہ اس چیز کا لحاظ رکھا گیا ہو، کہ نظام تقویم بہر حال اوقات کی تعیین کا ایک ذریعہ ہے اور جو قوم ذرائع میں منہمک ہو کر رہ جائے اکثر و بیشتر مقاصد اس کی نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں، اور فطری طور پر ان کی صلاحیتیں ذرائع ہی میں کھپ کر ضائع ہو جاتی ہیں اس لئے چاہا گیا کہ امت مسلمہ کو نظام تقویم ایسا دیا جائے جس میں منہمک ہو کر مقصدی صلاحیتیں کھو بیٹھنے کا ذرا بھی اندیشہ نہ ہو، بس آنکھ کھولی، چاند دیکھ لیا، تقویم درست ہو گئی، اور سب اپنے اپنے کام میں لگ گئے، نہ ضرب کی ضرورت نہ تقسیم کی، نہ محکمہ موسمیات قائم کرنے کی ضرورت نہ اس پر ریسرچ کی۔

یا ممکن ہے یہ امر پیش نظر ہو کہ اس امت میں امیر بھی ہوں گے، غریب بھی، عالم بھی، جاہل بھی، مرد بھی اور عورتیں بھی۔ اور بیشتر عبادات و معاملات کا مدار نظام تقویم پر ہے اس لئے چاہا گیا کہ جس طرح نظام تقویم سے متعلقہ احکام کے مکلف امت کے بھی طبقات ہیں، اسی طرح ان کو نظام تقویم بھی ایسا دیا جائے جس پر ہر شخص اپنے مشاہدے کی روشنی میں پورے شرح صدر کے ساتھ یقین کر سکے۔

یا ممکن ہے کہ شارع کو جو یقین ہلال کے باب میں مطلوب ہے وہ رویت اور مشاہدے پر ہی مرتب ہو سکتا ہو۔ اس کی نظر میں حسابی جنتری اس یقین کے پیدا کرنے میں ناکافی ہو۔ یا ہو سکتا ہے کہ شارع نے اس امر کو پسند نہ فرمایا ہو کہ روزہ و افطار تو سب کریں، مگر ان کے اوقات کی تعیین ایک خاص گروہ کے رحم و کرم پر ہو، اس لئے نظام تقویم ایسا مقرر فرمایا کہ ایک عامی بھی اپنے وقت کی تعیین ٹھیک اسی طرح کر سکتا ہے، جس طرح

ایک ماہر فلکیات۔ اور ایک بدوی بھی اسی طرح اپنے اوقات کا حساب لگا سکتا ہے، جس طرح ایک شہری۔ بلکہ بعید نہیں کہ ماہر فلکیات یا عالم کی نظر کمزور ہو، اور ایک عام بدوی کی نظر تیز۔ اس صورت میں خود ماہر فلکیات یا عالم کو مسکین ان پڑھ کی طرف رجوع کرنا پڑے۔

الغرض شارع کے پیش نظر بیسیوں حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے ہمارا کام یہ نہیں کہ چوں و چرا کا سوال اٹھائیں، اور شارع سے بحث و تکرار میں مشغول ہو کر فرصت اور وقت کے ساتھ دین و ایمان بھی ضائع کریں، ہمارا کام تو یہ ہے کہ شارع کی حکمت و شفقت پر ایک دفعہ ایمان لے آئیں، پھر اس کی جانب سے جو حکم دیا جائے اسے اپنے حق میں سراسر خیر و برکت کا موجب اور عین حکمت و مصلحت کا مظہر سمجھ کر اس پر فوراً عمل پیرا ہو جائیں۔

زباں تازہ کردن باقرار تو
نیگیختن علت ازکار تو

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ راقم الحروف کا وہ تبصرہ جو موصوف جعفر شاہ پھلوری کی اس کتاب پر ماہنامہ میلّت شعبان ۱۳۸۸ھ کے نقد و نظر میں شائع ہوا تھا درج کر دیا جائے۔

رویت ہلال : ----- مولانا محمد جعفر شاہ پھلوری ہمارے ملک کے مشہور صاحب قلم اور ادارہ ثقافت اسلامیہ کے رفیق ہیں، زیر نظر کتابچہ میں انہوں نے ”رویت ہلال اور فلکیات“ کے موضوع پر گفتگو کی ہے، کتابچہ کے مندرجات پر

نظر کرنے سے پہلے اس کی شان نزول کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ موصوف کا تعلق یہاں کے ”حشویہ فرقہ“ سے ہے، جس کا لغو موصوف کے الفاظ میں یہ ہے :

”حضرات! ہمارے خیال میں ہم پاکستانیوں کی اس وقت

کوئی معین شریعت نہیں ہے، پچھلے ادوار کی شریعتوں پر چل

رہے ہیں۔۔۔۔۔ جب ہم ان ”خام مواد“ سے استفادہ کرتے ہوئے

ایک بات متعین کر لیں گے اور حکومت اسے نافذ کر دے گی تو

ہمارے لئے وہی شریعت ہوگی اور پھر وہ ہمیشہ کے لئے نہیں

ہوگی۔ ضرورت کے وقت مجالس قانون ساز یا کوئی اور مقرر کردہ

کمیٹی اس میں بھی ترمیم کر سکتی ہے۔“ (۱)

ان حضرات کے نزدیک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے

اسلام میں ”دین“ اور ”شریعت“ دو الگ الگ چیزوں کے جدا جدا نام ہیں، چنانچہ

”دین تو وہ روح اور اسپرٹ ہے جو تبدیل نہیں ہو سکتی

اور شریعت اسی روح کی تشکیل کا نام ہے، مقصد اسپرٹ کو باقی

رکھنا ہے اور شکل بدلنے سے اسپرٹ نہیں بدل جاتی۔“

(حوالہ مذکورہ ص ۸۳۳)

قرآن کریم اور سنت نبویؐ نے عبادات و معاملات میں حلال و حرام، جائز

و ناجائز، فرض و واجب، سنت و مستحب اور صحیح و فاسد کے جو احکام نافذ فرمائے ہیں

(۱) مولانا جعفر شاہ کا مقالہ ”تعقل و تدبیر کے لئے قرآن حکیم کی تاکید“ مشمولہ ماہنامہ ”فکر و نظر“

راولپنڈی (از ص ۸۳۲ تا ۸۳۰) ماہ مئی ۱۹۶۸ء۔ یہ مقالہ راولپنڈی کی بین الاقوامی کانفرنس کے لئے لکھا

گیا تھا مگر بروقت گم ہو جانے کی وجہ سے وہاں پڑھا نہیں گیا۔

عام مسلمانوں کے نزدیک وہ واجب التسلیم ہیں مگر ”حشویہ“ کا خیال ہے کہ یہ صرف اسی دور کی شریعت تھی جس میں دین کی روح اور اسپرٹ کو اس دور کے تقاضوں کے مطابق ملحوظ رکھا گیا تھا، اور ہمیں اسی روح اور اسپرٹ کو باقی رکھتے ہوئے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق اسے بدل کر اس کی جگہ ”نئی شریعت“ وضع کرنی ہے اور وقتی تقاضوں کے مطابق شریعت محمدیہ میں قطع و برید، کانٹ چھانٹ، ترمیم و تنسیخ اور رد و بدل کا نام ”اجتہاد“ ہے، موصوف کے لفظوں میں :

”ناقل ترمیم صرف دین (یعنی روح، اسپرٹ) ہے، اور شریعت ہر دور میں ترمیم قبول کر سکتی ہے، اور ہمیں ”اجتہاد“ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ترمیم کا یہ مطلب نہیں کہ شروع سے آخر تک سب کچھ بدل دیا جائے بلکہ (الف) ان شریعتوں میں جو چیز اپنے عصری تقاضوں کے مطابق ہوگی وہ باقی رکھی جائے گی، (ب) جس کی ضرورت نہیں اسے ترک کر دیا جائے گا (ج) جس جدید شے کی ضرورت ہوگی اس کا اضافہ کر دیا جائے گا، اور اس وقت صرف عالمی مصالح امت کو پیش نظر رکھا جائے گا۔“

(حوالہ مذکور ص ۸۴۳)

مطلب یہ کہ شریعت خداوندی کے احکام ”پختہ عقل“ مسلمانوں کے لئے ”خام مولود“ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (شریعت کے لئے ”خام مواد“ کی اصطلاح موصوف نے اس مقالہ میں کئی جگہ استعمال کی ہے۔ ناقل) ان کا برتاؤ شریعت کے ساتھ بھی وہی ہوگا جو ایک اجنبی تہذیب کے رسوم و قانون کے ساتھ ہوتا

ہے، وہ جتنی شریعت کو مفید مطلب پائیں گے باقی رکھیں گے اور جتنی کو چاہیں ترک کر دیں گے اور جتنا چاہیں اس میں اضافہ کر لیں گے، عبادات میں بھی اور معاملات میں بھی۔

اب صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ”عالمی مصلح امت“ کی تعین کا حق کس کو حاصل ہے؟ اس کا جواب ”حشویہ“ کے پاس یہ ہے کہ دین میں اجتہاد پر کسی گروہ کی اجارہ داری نہیں بلکہ یہ پوری قوم کا حق ہے، جو وہ اپنے منتخب نمائندوں (مرکزی حکومت اور پارلیمنٹ کے ارکان) کو تفویض کرتی ہے ان ہی کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق ”وقتی تقاضوں“ اور ”مصلح امت“ کی تشخیص کریں، اگر وہ بھولے سے دن کو ”شب است ایس“ کہہ بیٹھیں تو تمام قوم کا فرض ہے کہ وہ ”ایک ماہ وپروین“ کا اقرار کرے۔

اس تشریح سے معلوم ہوا ہو گا کہ مولانا جعفر شاہ صاحب جس ”اجتہادی حشویت“ یا نئی شریعت کے داعی ہیں، وہ مسٹر پرویز کے نظریہ ”مرکز ملت“ اور مغربی نقالوں کے نظریہ ”تعمیر اسلام“ کا معجون مرکب ہے، جس کا مقصد وحید پورے اسلام پر نظر ثانی کرنا ہے، مگر سردست جو شرعی مسائل اجتہادی ترمیم کے لئے زیر غور ہیں، ان کی مختصر فہرست موصوف نے یہ پیش کی ہے :

”مثلاً انشورنس کا جوا، بیٹکوں کا سود، خاندانی منصوبہ

بندی، انتقال خون کا مسئلہ، اعضائے انسانی کے دوسرے جسم میں

نقل کرنے کا مسئلہ، ذرائع پیداوار کو قومیا نے کا جواز، جنتری کے

مطابق چاند کا اعلان، عورتوں کے پردے کی نئی حد بندی، تعدد

ازواج، شادی، طلاق، دعوت، ذبیحہ اور سفر حج جیسی ”جائز“

چیزوں پر پابندی کا جواز، جہیز کی اصلیت، حضانت کی مدت، مفقود

الخبر کی میعاد، یتیم پوتے کی وراثت، فوٹو، راگ گانے اور تصویر کشی کے جواز کا مسئلہ وغیرہ وغیرہ۔“

(حوالہ بلا ص ۸۴۶)

مولانا موصوف اپنے رفقا سمیت اس خدمت پر مامور ہیں کہ قومی راہنماؤں کو شریعت محمدیہ کے جن اصول و فروع کو منسوخ کر کے ان کی جگہ وقتی تقاضوں کے مطابق نئی شریعت وضع کرنے کا الہام ہو جائے اس کے لئے رائے عامہ کو ہموار کریں اور علمی سطح پر لوگوں کو اس کا قائل کریں۔ اس سلسلہ میں موصوف جن اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں، جس قسم کے دلائل فراہم کرتے ہیں اور جس تکنیک کو استعمال کرتے ہیں، زیر نظر کتابچہ اس کی اچھی مثال ہے۔

اسلامی اصول یہ ہے کہ قمری ماہ و سال کا مدار رویت ہلال پر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے اب تک امت اسی اصول پر کاربند رہی ہے اور روزہ، عید، اعتکاف، زکوٰۃ، حج، قربانی، عدت وغیرہ وغیرہ بہت سے احکام اسی اصول سے طے کئے جاتے ہیں، اس کے برعکس مولانا موصوف کا موقف یہ ہے کہ ان چیزوں کے لئے چاند دیکھنے کے بکھیرے اس ترقی یافتہ دور سے میل نہیں کھاتے۔ ”اس کے لئے نہ رویت ہلال کی ضرورت، نہ علما کی پیشی کی، نہ گواہیاں گزارنے کی“ نہ ٹیلی فون پر تصدیق کرتے پھرنے کی۔“ (ص ۴۱) پس یہ حکومت کا کام ہے کہ وہ جنتری دیکھ کر بہت پہلے ہی سے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا کرے اور ہم آنکھیں بند کر کے اس پر آمنا و صدقنا کہا کریں۔ موصوف کے خیال میں ”اس میں کسی قسم کا کوئی شرعی نقصان نہیں، بلکہ شرعی نقصان تو اختلاف کرنے میں ہے۔“

اب دیکھئے کہ اس شرعی اصول میں ترمیم کے لئے جس سے بیسیوں احکام شرعیہ مسخ ہو جاتے ہیں موصوف نے کیا اجتہادی اصول وضع کئے ہیں :

”یہ واضح رہے کہ ہم کسی رائے کو‘ خواہ وہ اپنی ہو یا قدامت اہل علم کی‘ حرف آخر نہیں سمجھتے۔“

(۵ ص)

اپنا ذکر تو موصوف نے بطور تبرک کیا ہے، کتنا یہ ہے کہ شریعت کا کوئی مسئلہ خواہ کتنا ہی صریح اور قطعی کیوں نہ ہو، اور تمام اہل علم اس پر متفق ہی کیوں نہ ہوں اس میں بھی کوئی نہ کوئی نئی اچھ نکال جاسکتی ہے، چنانچہ زیر نظر مسئلہ میں تمام علمائے امت متفق ہیں کہ رویت ہلال کے معنی ہیں سر کی آنکھوں سے چاند دیکھنا، مگر مولانا موصوف کے اجتہاد میں :

”یہاں رویت کے معنی وہ علم ہے جو تاریخی یا فنی شواہد سے حاصل ہوتا ہے یا خواب کی طرح قلب و خیال سے.... پس رویت ہلال کو صرف چشم سر کے ساتھ مخصوص کر دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی۔“

(۱۰ ص)

اسی طرح تمام علما قانون کے نزدیک شہادت کے معنی ہیں :

”کسی شخص کا حاضر عدالت ہو کر گواہی دینا۔“

لیکن مولانا کے نزدیک یہ صحیح نہیں بلکہ وہ ”بصیرت بھی کافی ہے جو گمان غالب پیدا کر دے۔“

(۳۴ ص)

اور مسلمانوں کی شریعت اس کا اعتبار کرے نہ کرے اور اسے مانے یا نہ مانے مگر موصوف کے خیال میں :

”محض گواہوں کی شرعی گواہی سے جو غلبہ ظن پیدا ہو سکتا ہے اس سے کہیں زیادہ موجودہ دور کے فلکیاتی علم سے حاصل ہو جاتا ہے۔“

(ص ۳۴)

الغرض جب یہ اصول ایک دفعہ طے ہو جائے کہ پہلوں نے قرآن و سنت اور دین و شریعت کا جو مفہوم سمجھا وہ یا تو سرے سے غلط ہے، یا انکے دور کے لحاظ سے صحیح ہو تو ہو، کم از کم ہمارے لئے صحیح نہیں، اس کے بعد شریعت الہیہ کے رد و بدل کے لئے اچھی خاصی گنجائش نکل آتی ہے، اور اس سے اسلامی قطعیات کو بڑی آسانی سے ”حشوی اجتہاد“ کی زد میں لایا جاسکتا ہے۔ دین کے کسی بھی مسئلہ کو لے کر اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے ”قدیم مسلمانوں کے دور میں یا ان کے خیال میں ایسا ہو گا لیکن اب ایسا نہیں ہے۔“ موصوف نے فلکیات پر اعتماد کو اسی منطق سے ثابت کرنا چاہا ہے۔ (ص ۲۳)

۲ : ----- اس ”حشوی اجتہاد“ کا دوسرا اصول یہ ہے کہ امت کے کروڑوں علماء و فقہاء کے خلاف اگر کسی کا قول کہیں مل جائے، اس کی نقل خواہ کتنی ہی شاذ و مردود، غلط اور ناقابل اعتبار ہو، لیکن اسے وحی آسمانی کی طرح صحیح سمجھ کر اعلان کر دو کہ یہ مسئلہ پہلے ہی سے مختلف فیہ چلا آیا ہے اور ہم فلاں قول کو اختیار کرتے ہیں، چنانچہ زیر نظر مسئلہ میں مولانا موصوف نے مطرف بن عبد اللہ، علامہ سبکی، قاضی عبد الجبار، ابن مقاتل اور مصنف جمع العلوم کے نام دیئے ہیں، کہ وہ اس فن پر مکمل یا ”غیر مکمل“ اعتماد کرتے تھے (ص ۱۱ تا ۱۳) حالانکہ اول الذکر کی طرف اس کی نسبت غلط ہے (فتح الباری ص ۹۳ ج ۴) علامہ سبکی کا قول

مردود ہے (شامی ص ۱۰۰ ج ۲) اور باقی بزرگوں کے بارے میں اول تو موصوف کو یہی معلوم نہیں کہ وہ کون تھے (حد یہ ہے کہ مصنف جمع العلوم کے نام تک کا اتنا پتا نہیں) علاوہ ازیں ان کا یہ قول بحوالہ شامی زہدی کی ”تبیہ“ سے نقل کیا گیا ہے، جس کے بارے میں خود علامہ شامی کی تصریح یہ ہے کہ وہ ناقابل اعتبار ہے (شامی ص ۵۲ ج ۲) لہجے چند مجاہل کے غلط ‘مردود‘ ناقابل اعتبار اور گرے پڑے اقوال سے اجتنابی قلعہ تعمیر ہو گیا، اور چودہ صدیوں کو غلط فہمی کا شکار کہنے کا جواز پیدا ہو گیا۔

۴۔ ————— حشویت ”کاتیرا اصول یہ ہے کہ موقع پڑے تو جعل و تلیس اور بعض دفعہ صریح غلط بیانی سے بھی گریز نہ کرو“ چنانچہ سب کو معلوم ہے امام شافعیؒ اس مسئلہ میں پوری امت کے ساتھ متفق ہیں، لیکن مولانا موصوف نے امام شافعیؒ سے بھی منوالیا کہ رویت ہلال کے بجائے صرف جنتری دیکھ کر چاند کا پیشگی اعلان کیا جاسکتا ہے (ص ۲۵)

اور موصوف کی اس تلیس کا منشا یہ ہے کہ ”یوم شک“ میں روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟ اس کے بارے میں امام شافعیؒ کے نہیں بلکہ بعد کے مشائخ شافعیہ کے متعدد اقوال ہیں جو امام نوویؒ کی شرح مہذب اور حافظ ابن حجرؒ کی فتح الباری میں دیکھے جاسکتے ہیں، ان ہی میں ایک قول بعض محتاط شافعیہ کا یہ ہے کہ اگر حسابی تخمینہ اس کی تائید کرتا ہو تو جس شخص کو اس کی صحت پر اعتماد ہو اس کے لئے روزہ رکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی کو موصوف نے ‘غلط فہمی یا جعل سازی کی وجہ سے‘ یوں مسخ کر لیا کہ امام شافعیؒ اور تمام شافعیہ فن فلکیات پر اعتماد کے قائل ہیں۔

۴ : — حشویت کا چوتھا اصول یہ ہے کہ مختلف قسم کے مغالطوں اور خوش گہیوں کو ”قیاس“ کا نام دیا جائے، مولانا موصوف کو اس اصول سے بھرپور استفادہ کی خاصی مشق ہے مثلاً :

۱۔ ”اگر ٹیلیفون کی اطلاع پر آج شام کی دعوت قبول کی

جاسکتی ہے، تو رویت کی شہادت کیوں قبول نہیں؟“۔ (ص ۲۸)

۲۔ ”اگر کرنسی نوٹ نقدی کے قائم مقام ہیں تو فلکیات کا

فن رویت کے قائم مقام کیوں نہیں؟“۔ (ص ۵)

۳۔ ”اگر ٹینک چلانا شہسواری کی تعبیر ہے، تو رویت کی تعبیر

جنتری سے کیوں نہیں ہو سکتی؟“۔ (ص ۵)

۴۔ ”اگر میراث کی تقسیم میں حساب کتاب پر اکتفا کیا جاسکتا ہے

تو چاند میں کیوں نہیں کیا جاسکتا؟“۔

۵۔ ”اگر مگیزن کے بجائے پیپنگ سے وضو کے لئے پانی لیا

جاسکتا ہے، تو ہوائی جہاز سے چاند کیوں نہیں دیکھا جاسکتا؟“۔

۶۔ ”اگر گوشت کے معاملہ میں قصائی پر اکتفا کیا جاتا ہے تو چاند

کے معاملہ میں حکومت پر کیوں نہیں کیا جاتا؟“۔ (ص ۴۲)

ان زہدیت کو نقل کرتے ہوئے بھی قلم کو گھن آتی ہے، مگر ان حضرات

کا جگر گردہ ہے کہ وہ شرعی مسائل کو ان بچکانہ پسیلیوں سے حل کرنا چاہتے ہیں،

جس کے لئے نہ علم کی ضرورت، نہ عقل کی، نہ فہم کی نہ دانش کی۔

ادارۂ ثقافت اسلامیہ سے اسلامی موضوعات پر اسی معیار کی کتابیں نکلتی

رہیں، تو یقین کرنا چاہئے، کہ وہ اپنی نیک نامی میں ادارۂ طلوع اسلام اور ادارۂ

تحقیقات اسلامی سے بھی آگے نکل جائے گا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

شہید اسلام

حضرت مولانا محمد رفیع صاحب دہلوی مدظلہ العالی

آپ کے مسائل اور ان کا حل

جلد اول: مختصر احادیث اور تفسیر صحیح مسلم سے تعلقات، خلافت کلمہ کلمے والے فرقے، جنت و دوزخ توہم پرستی

جلد دوم: وضو کے مسائل، غسل و حج، پاکی سے متعلق عورتوں کے مسائل، نماز کے مسائل، جمعہ و عیدین کے مسائل

جلد سوم: نماز تراویح، نفل نمازیں، میت کے احکام، قبروں کی زیارت، ایصال ثواب، قرآن کریم، روزے کے مسائل، زکوٰۃ کے مسائل، وصیت و صدقہ

جلد چہارم: حج و عمرہ کے مسائل، قربانی، حلال اور حرام جانور، جسم کھانے کے مسائل

جلد پنجم: شادی بیاہ کے مسائل، خلاق، طلاق، عدت، یمان و نكاح، مائلی قوانین

جلد ششم: تجارت، یعنی خرچ و فروخت اور اجرت و اجرت کے مسائل، اسلحوں کا کاروبار، قرض کے مسائل، وراثت اور وصیت

جلد ہفتم: نام، تصویب، اسلامی، دہلوی، وضع قطع لباس کھانے پینے کے شرعی احکام، والدین، نولاد و نوزائیدہ بچوں کے حقوق، تبلیغ دین، کھیل کود، موسیقی، دانش، شاعری، منظر، بے حدی تصوف

جلد ہشتم: پردہ و اخلاقیات، رسومات، معاملات، سیاست، تعلیم اور وظائف، جائزہ و ناجائز، جہاد اور شہید کے احکام، جلد نهم: متفرق مسائل

ذریعہ الوصول الی کتاب الرسول ﷺ (بی بی) سیرت عربین عبدالحق

ذریعہ الوصول الی کتاب الرسول ﷺ (چھوٹی) رسائل جنابی

حسن یوسف (مکاتات کا مجموعہ) شیعہ مبنی اختلاف اور اصلاح مستقیم

اختلاف امت اور اصلاح مستقیم مکمل عہد نبوت کے ماہ و سال

عصر حاضر اسلامیت نبوی ﷺ کے آئینے میں اہلبیت علیہم السلام

شمسیات و تاریکات (دو جلدیں) ریحان کی شرعی حیثیت

دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار دنیا کی حقیقت (دو جلدیں) فقہ گوہر شری

تجدد کا ردائیت (۳ جلدیں) اسلامی مواد اسلامیت

18 مسلم کتب مارکیٹ انوری ٹاؤن کراچی-5 دفتر انجم نبوت پبلی کیشنز اسلام آباد شارع روضہ کراچی

فون 7780337 فیکس 7780340

www.Ahlebnaq.com